ڈاکٹر یاسین عاطر کے دو شعری مجموعے
ایک پی ڈی ایف فائل میں

عشق وسیلہ

ڈاکٹر یاسین عاطر

عشق ریاضت

ڈاکٹر یاسین عاطر

عشق وسیلہ

ڈاکٹر یاسین عاطر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

عشق وسیلہ

توانگری تو ملی عشق کے وسیلے سے
یہ لوگ کیوں مری آ کر دکان دیکھتے ہیں

سید حسین احسن

تزئین و اہتمام:
نوید یوسف، حمزہ عرفان

نام کتاب: عشق وسیلہ
شاعر: ڈاکٹر یاسین عاطر
صنف: غزل
ٹائٹل: عمران شناور
طبع اوّل: جنوری ۲۰۲۰ء
مطبع: یاسر عمر پرنٹنگ پریس
کمپوزنگ: زرنفت پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور
قیمت: 1000 روپے

رابطہ
ڈاکٹر یاسین عاطر
yasinaatirpoetry@gmail.com
https://www.facebook.com/yasin.aatir.poetry
https://twitter.com/UrduPoetryAatir

انتساب

اپنی والدہ محترمہ انوری بیگم (مرحومہ) کے نام جنھوں نے لکڑی کی تختی پر مجھے اُردو حروف ابجد لکھنا سکھائے۔

اپنے والد محترم محمد یوسف (مرحوم) کے نام جنھوں نے رزقِ حلال کما کر اپنے آٹھ بچوں کی بہترین تربیت کی اور انھیں اعتماد کے ساتھ کھڑا ہونا سکھایا۔

اپنی شریکِ سفر حمیراؔ اور پیاری بیٹیوں سویراؔ اور علیناؔ کے نام جن کی محبتوں نے مجھے زندگی کے سفر میں نئی جرأت اور توانائی بخشی۔

ترتیب وتہذیب

محبت کا مختلف شاعر

ڈاکٹر یاسین عاطر کیلی فورنیا میں مقیم ہیں۔ میری ان سے ملاقات کو زیادہ دن نہیں ہوئے لیکن اس قلیل مدت میں ان کی شاعری اور شخصیت نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے۔ پہلی بار میں نے انہیں لاہور کے باغ جناح میں سنا۔ ان کی شاعری بیرون ملک مقیم شعراء سے ذرا ہٹ کے لگی۔ جی چاہا کہ ان کو کبھی بھرپور سنا جائے۔ اس خواہش کے ایک سال بعد لاہور ہی میں ان کے اعزاز میں ہونے والی ایک شام میں میں حاضر ہوا۔ یہاں بھی میں ان کو جی بھر کے نہ سن سکا۔ نشست برخاست ہوئی تو انہوں نے مجھے اپنے مجموعہ کلام "عشق وسیلہ" کا مسودہ تھما دیا کہ میں اس پر اظہارِ خیال کروں۔ میری عادت ہے کہ میں شاعری کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہوں۔ ان کے مسودے میں درج آخری شعر تک پڑھنے کے بعد اپنے تاثرات قلم بند کرنے بیٹھ گیا ہوں۔

ڈاکٹر یاسین عاطر نے اپنے تعارف میں خود لکھا ہے کہ وہ جون ایلیا کی صحبت میں رہے ہیں۔ ان کے علاوہ کراچی کے اور ممتاز شعراء سے بھی ان کی ملاقاتیں رہیں۔ جون ایلیا ہمارے ایسے شاعر ہیں کہ کوئی ان کے قریب سے بھی گزر جائے تو ان کے اثرات سے نہیں بچ سکتا۔ میرے لیے یہ حیرت کا مقام تھا کہ ڈاکٹر یاسین عاطر ان کے حلقے میں رہنے کے باوجود بھی ان کے لہجے اور موضوعات سے کوسوں دور ہیں۔ اس کی پہلی وجہ جو میرے ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب امریکہ چلے

گئے، دوسری یہ کہ انہوں نے ایک ایسی محبت کی جو انہیں اپنے طلسم سے باہر نہیں نکلنے دیتی۔ وہ اپنے پورے شعری تجربے کے دوران اس کی مکمل گرفت میں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نہ صرف جون ایلیا سے الگ ہیں بلکہ بیرونِ ملک مقیم شعراء کی شاعری سے بھی ان کا اسلوب جداگانہ ہے۔ وہ اپنے اوپر شاعری کے عصری منظرنامے حاوی نہیں ہونے دیتے بلکہ محبت کے 'کیفیت آباد' میں رہ کر جو محسوس کرتے ہیں کہتے چلے جاتے ہیں۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ جو مسودہ انہوں نے مجھے دیا ہے، اس میں درج غزلیں زمانی ترتیب میں ہیں۔ اس کے باوجود یہ ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں محبت کی کہانی اپنی روایات کے ساتھ بیان کی گئی۔ اگر کوئی کوشش کرے تو ڈاکٹر صاحب کی محبت کے سوانحی خدوخال ترتیب دے کر ان کی داستانِ محبت لکھ سکتا ہے۔ اس محبت کے کچھ اشارے میں کر پاؤں گا کیوں کہ میرے پاس تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں۔ پہلی قرأت میں یہ ایک خوددار انسان کی کہانی ہے جو برابر کے تعلق پر یقین رکھتا ہے۔ ان کی محبت افلاطونی محبت نہیں۔ اس میں ہجر سے لے کر وصال تک، بدنی ضرورتوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ خوبصورت اشعار کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ اس سلسلے کے متعدد اشعار میں نے منتخب کیے لیکن یہاں میں وہی اشعار درج کروں گا جو میری گزارشات کو سچ ثابت کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

ساتھ اس کے جو کبھی نکلوں گلی کوچوں میں
ایسا لگتا ہے کہ یہ شہر ہے سارا اس کا

....

دیکھنے میں تو وہ اک عام سی لڑکی ہے مگر
عشق ہر روز بڑھا دیتا ہے قیمت اس کی

....

یوں تو خود دار ہوں پر اس کو منا لیتا ہوں
ذہن پر بوجھ سا بن جاتی ہے رنجش اس کی
اس گھڑی خود کو میں بیمار سمجھ لیتا ہوں
جب کبھی دل سے نکل جاتی ہے خواہش اس کی
ہے فقط اس کی توجہ ہی شفا بخش مجھے
ہے فقط میری محبت ہی جوارش اس کی

....

تری رنگت پہ خوب کھلتا ہے
زعفرانی لباس پہنا کر

....

کیسے اندازہ ہو اس دل کے دھڑکنے کا اسے
ہاتھ سینے پہ کبھی دھر کے نہیں دیکھتا ہے

....

ہے اجازت کہ سر سے پاؤں تلک
زخم دیکھو مگر کریدو مت
اک تعلق رکھو وقار کے ساتھ
مجھ پہ اس طرح جان وار دو مت
اتفاقاً جو مل گیا ہوں تمہیں
میری تنہائیوں سے کھیلو مت

....

دسترس میں ہے تمہاری تو بھلا دو اس کو
دل میں اترا تو ٹھہر جائے گا اعصاب کے بیچ

....

تم سے اب میرا تعلق صرف اتنا ہے کہ بس
روز موسم دیکھ لیتا ہوں تمہارے شہر کا

یہ ہجر و وصال کی کیفیتیں وہ نہیں جو اَب کلیشے بن چکی ہیں بلکہ ڈاکٹر یاسین عاطر پر گزری ہوئی کیفیتیں ہیں جنہیں وہ سیدھے سبھاؤ بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ محبت کی شاعری کرنے والے شعراء عموماً شعر کو شعر بنانے کے لیے کیفیت میں ملاوٹ کرتے ہیں لیکن یاسین عاطر اپنی کیفیت کو من و عن بیان کرنے سے نہیں ڈرتے۔ وہ شاید شعراء کے اس قبیلے سے بھی نہیں جو سمجھتے ہیں کہ بات مکمل نہ کی جائے یا مکمل بات لطف نہیں رکھتی۔ ڈاکٹر یاسین عاطر کچھ بھی نہ چھپا کر غزل تخلیق کرتے ہیں۔ ان کی بیان کردہ محبت کے اور پہلو بھی دریافت کیے جا سکتے ہیں۔ مگر یہ کام میں ان کے قاری پر چھوڑتے ہوئے ایک اور طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ یوں تو ان کے بیشتر کلام کا موضوع محبت ہے۔ ایسی محبت جس نے غریب الوطنی کے سخت مراحل کو بھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور وہ اپنے نشے میں مست اظہار پاتی چلی گئی لیکن میرا مطالعہ بتاتا ہے کہ محبت کی ایک مقام پر ٹرانسفارمیشن ہوتی ہے اور بدنی علاقے سے روح کی طرف نکل جاتی ہے جو ہمیں صوفی شعراء کے ہاں دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر یاسین عاطر ابھی ادھر تو نہیں گئے مگر کہیں کہیں انہوں نے زندگی کے دوسرے موضوعات کو برتنے کی کمال کوشش کی ہے۔ کچھ اشعار دیکھیے:

روشنی دل کی سمت جاتی ہے
تھام لیتا ہوں جب دعا کے چراغ

....

ڈوبنا ہے تو باندھ لو پتھر
ورنہ پانی بہت اچھالے گا

بھوک جب انتہا کو پہنچے گی
آدمی آدمی کو کھا لے گا

....

اٹھ گئی اب تو مہ و سال سے برکت عاطر
ایک ہفتہ ہے کہ اک پل میں گزر جاتا ہے

....

اے زندگی تو مرے حوصلے کی داد تو دے
میں اٹھ کے روز نیا دن گلے لگاتا ہوں

میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر یاسین عاطر کی اس محبت کے بھیدوں سے بھری شاعری کو مری تحریر کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس شاعری کا کمال یہ ہے کہ یہ ''خود شرحی'' کے درجے پر فائز ہے۔ جب آپ اسے پڑھیں گے تو یقیناً میری طرح محبت کے محبت بھرے اظہار پر سر دھنیں گے۔ آخر میں میں ڈاکٹر صاحب کو اس مجموعے کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

عباس تابش
۴ر مئی ۲۰۱۹ء

یاسین عاطر......محبتوں کا شاعر

ڈاکٹر یاسین عاطر سے میرے قریبی مراسم تقریباً چالیس سال پرانے ہیں۔میرا اُن سے یہ تعلق نہایت گہرے احساسات پر مبنی ہے۔ان سے میری پہلی ملاقات ۱۹۷۸ء میں ہوئی جب میں ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی میں سالِ اول کے طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوا۔یاسین عاطر اسی وقت سالِ چہارم کے طالب علم تھے اور کالج کے طلباء کی شاعرانہ محفلوں اور بیت بازیوں کی جان سمجھے جاتے تھے۔یہ وہ زمانہ تھا جب کراچی کے جید شعراء جن میں سلیم احمد، قمر جمیل، عزیز حامد مدنی، جون ایلیا، عبیداللہ علیم، حسن اکبر کمال، محسن بھوپالی، پروین شاکر، رسا چغتائی، انور شعور، رضی اختر شوق، جمال احسانی، اطہر نفیس، سحر انصاری، پیرزادہ قاسم اور دیگر بہت سے شعراء اپنے کلام سے محافلِ شعر و سخن کو گرما رہے تھے۔ان میں کئی شعراء سے میرا تعارف یاسین عاطر اور ان کے کلاس فیلو عامر محمد خان نے کروایا۔اسی سال ڈاؤ میں منعقد ایک بین الکلیاتی مقابلے میں یاسین عاطر کی غزل اور میری نظم کو اول انعامات ملے۔یاسین عاطر کی غزل کا مطلع تھا۔

حرفِ حق پر جو مشتمل ہو جاؤں
سینہ در سینہ منتقل ہو جاؤں

کراچی کے بیت بازی کے مقابلے میں بھی اسی سال یاسین عاطر کی سربراہی

میں ہماری ٹیم جس میں سید انوار احمد اور شارق علی بھی شریک تھے، نے بہت سے انعامات سمیٹے۔ ڈاؤ میڈیکل کالج میں منعقد ایک پروگرام میں محترمہ پروین شاکر نے یاسین عاطر کے دو اشعار پوڈیم پر دہرائے اور کہا کہ اتنے پختہ اشعار میں نے اتنے کم عمر شاعر سے اس سے پہلے نہیں سنے۔

اب ترے میرے وصل کا ہوگا
فیصلہ، ہجر کی عدالت میں
پڑھ رہا ہوں کتابِ زیست مگر
غلطی ہے بہت کتابت میں

حقیقت یہ ہے کہ یاسین عاطؔر کے زیرِ سایہ ہماری شاعرانہ صلاحیتیں پروان چڑھتی رہیں اور پھر سالِ آخر تک کراچی کے کالجز اور یونیورسٹیوں میں ہونے والے شعری اور بیت بازی کے مقابلوں میں ہماری ٹیم سرِ فہرست رہی۔ ہاؤس جاب کے دوران بھی ڈاکٹر یاسین عاطؔر میڈیکل تھری سول اسپتال کراچی میں ہمارے رجسٹرار تھے۔ لہٰذا پروفیشنل زندگی میں بھی ان کی راہنمائی ہمارے شاملِ حال ہوگئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ڈاؤ کی ادبی فضا میں یاسین عاطؔر کے بہت سے اشعار طلباء و طالبات کو زبانی یاد تھے۔

نہ یوں فقط میرے سینے کے بال دیکھا کر
اُتر کے روح میں میرا جمال دیکھا کر
میں تیرے واسطے کرنے لگا ہوں مزدوری
مری رگیں، میرے ہاتھوں کی کھال دیکھا کر
محبتیں بھی تو ملتی ہیں رزق کی صورت
محبتوں میں رزقِ حلال دیکھا کر

پھر یوں ہوا کہ میں نے سرجری کی تعلیم وتربیت کے لیے برطانیہ کی راہ لی۔ادھر یاسین عاطؔر سول اسپتال کراچی سے منسلک اپنے معاشی، معاشرتی اور خاندانی جھمیلوں سے نبرد آزما ہوتے رہے۔

یہ بھوک کی شدت کہیں گمراہ نہ کر دے
یہ پیٹ کا تیزاب کہیں مار نہ ڈالے

آخرِ کار یاسین عاطؔر کو ایسا لگا کہ شہر کراچی کے ماحول میں اس معاشی جنگ کو جاری رکھنا مناسب نہیں۔لٰہذا اعلیٰ تعلیم کے شوق اور اس شوق کے حصول کے لیے موجود صلاحیتوں نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ بے وطنی کے عذاب کو جھیلیں۔ چنانچہ انہوں نے نامساعد حالات کے باوجود امریکہ کا رخ کیا۔

حصولِ علم کی خاطر سفر ضروری ہے
جو اسپ نہ ملا، خچر پہ بیٹھ جاؤں گا

....

وقت گر پاؤں کے نیچے سے زمیں کھینچ بھی لے
دیس کی خاک سے رشتہ تو نہیں ٹوٹے گا
جس میں بستے ہیں ترے چاہنے والے عاطؔر
تیری پرواز سے وہ شہر نہیں چھوٹے گا

لیکن سرزمین امریکہ میں بیک وقت معاش، تعلیم اور معاشرتی جدوجہد میں یاسین عاطؔر نے ترقی تو بہت کی اور بڑے بڑے معرکے سر کیے، لیکن اس راہ میں کچھ ذاتی دکھ بھی اٹھائے۔

اک غزل بھی کہی نہیں ہے یہاں
آنکھ وہ سرمئی نہیں ہے یہاں

کس سے غم کا تبادلہ رکھیں
کوئی چہرہ دُکھی نہیں ہے یہاں
زندگی کی کوئی رمق ہی نہیں
نبض گرچہ تھمی نہیں ہے یہاں
عشق ہوتا تو اس پہ اتراتے
یہ بھی پونجی بچی نہیں ہے یہاں

....

دل اب بھی مرا کوچۂ دلبر میں پڑا ہے
تم لوگ مری نقل مکانی پہ نہ جانا

یاسین عاطؔر پروفیشنل زندگی میں ایک اعلیٰ فزیشن، میڈیسن کے استاد اور ایک بلند پایہ ریسرچر کی حیثیت سے کیلیفورنیا یونیورسٹی میں کلینکل میڈیسن کے پروفیسر کے عہدے تک جا پہنچے۔ تحقیق کے میدان اور شعبۂ معدہ و آنت میں ڈاکٹر یاسین عاطؔر کا نام امریکہ بلکہ دنیا بھر میں احترام سے لیا جاتا ہے۔ ہم مغرب میں مقیم سب ایسے شعراء اور شاعرات کو جانتے ہیں جو اپنے مغربی پس منظر یا پروفیشنل کامیابیوں کی بنیاد پر اکثر ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں لیکن اُن کے کلام کو کلامِ موزوں تو کہا جا سکتا ہے مگر شاعری نہیں۔ یاسین عاطؔر بھی اپنے پروفیشن میں کامیابی کی نمایاں ترین سیڑھیاں چڑھ چکے ہیں اور مغرب میں مقیم ہیں مگر "عشق وسیلہ" پڑھ کر میرے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ شاعری کو تعلق تجربات اور احساسات سے ہوتا ہے، مقام، سکونت اور پیشے سے نہیں۔ یاسین عاطؔر کی شاعری عام انسانی احساسات سے نا صرف ہم آہنگ ہے بلکہ اُن کے پروفیشنل تجربات سکہ بند شعراء سے مختلف ہیں۔

اُن کے ہاں اظہارِ بیان میں ایک تنوع ہے۔ وہ غزل کے روایتی الفاظ میں

اپنے مخصوص ندرتِ اظہار کی بدولت ایک ایسی روح پھونکتے ہیں کہ قاری دنگ رہ جاتا ہے۔ان کے قلم کے اس اعجاز کے سبب ان کا ایک معمولی شعر بھی معمولی نہیں رہتا اور ان کی ایک غزل بھی اپنے معیار سے گرنے نہیں پاتی۔وہ اپنے عشق کے تجربات کو کچھ ایسے بیان کرتے ہیں کہ ان کا جذبہ قاری کے جذبے سے فی الفور ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔اُن کے اس وصف نے ان کی مقبولیت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔یاسین عاطؔر نے اردو غزل کو نئے الفاظ کے زیور سے بھی اکثر آراستہ کیا ہے۔اس کی ایک واضح مثال اس شعر میں ملتی ہے۔

بس میں، ہوتا تو مقدر کی مرمت کرتا
پر کوئی کیل، ہتھوڑی، نہ کمانی میری

مشکل یہ ہے کہ یاسین عاطر کی شاعری میں بھرتی کے اشعار نہیں ملتے، بلکہ اشعار کے معیار میں ہم آہنگی ملتی ہے۔چنانچہ انتخاب مشکل ہے اور درست انتخاب تقریباً ناممکن۔ایسے میں بہتر یہی ہے کہ آپ کے اور ''عشق وسیلہ'' کے درمیان مزید حائل نہ رہا جائے۔البتہ جاتے جاتے ایک ایسا شعر جس سے صحیح معنوں میں وہی محظوظ ہوں گے جو پچھلے چالیس سال میں یاسین عاطؔر کے طے شدہ سفر کا احوال جانتے ہیں۔

گر مزا جاؤ وہ مری طرح کا ہوتا عاطؔر
پھر تو اس عمر رسیدی میں جوانی کرتا

پروفیسر سید رضی محمد
ڈین اینڈ پروفیسر آف سرجری
محمد میڈیکل کالج، میر پور خاص

پیش چہرہ

طب کی ضخیم اور پیچیدہ کتابیں پڑھتے پڑھتے عشق کے ایک تھپیڑے نے میرے اندر جو توڑ پھوڑ کی وہ میرے لیے بہت مثبت ثابت ہوئی۔ وقت نے گلے میں ایک صدر بین ڈال کر ہاتھ میں قلم تھما دیا۔ چاہتا تو اُن ادویات کے نسخے لکھتا رہتا جو زیادہ تر شفا کی بجائے جسم پر اکثر مضر اثرات چھوڑ دیتی ہیں لیکن اس عشق نے میرے لہو میں ایک مستقل بہاؤ کی کیفیت جاری رکھی، میری رگوں کو جمود کی کائی لگنے سے بچایا اور مجھے ایک مترنم لہجہ عطا کیا۔ اس طرح میرے قلم نے کارِ معاش میں معاونت کے ساتھ ساتھ میرے دل کی آبیاری کا کام بھی کیا۔ شعر کہنا شروع کیا تو اس عمل نے مجھے لفظوں کا احترام کرنا سکھایا، اختصاریت بخشی اور سچائی کے احاطے میں رکھا۔ شاعری نے میرے اندر ایک پہلوان کی طرح داؤ لگائے اور میرے زور آور غموں کو پٹخنی دے کر گرا دیا۔ یہی سبب تھا کہ مشقِ سخن جاری رہی۔ ایک اچھی شاعری میرے لیے جبڑوں کے درمیان سے نہیں بلکہ دل کے تلووں سے نکلتی ہوئی اک پرسوز صدا کا نام ہے۔ جیسے ایک پرندہ اپنے پروں کو اپنی چونچ سے صاف کرتا اور سنوارتا ہے، اسی طرح میں نے بھی ہر شعر کو خود ہی آراستہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ تجربات میرے مشیر، کتابیں میرے اتالیق اور احباب وجہِ تحریک رہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کا فضل و کرم مجھ پر رہا جس کی بدولت مجھے اپنے کسی ہم عصر سے اصلاح لینے کی نوبت نہیں آئی۔ خود

لفظوں ہی نے مجھ پر نئے نئے مطالب کے انکشافات کیے اور میرے غم ہی نے میرا شعری آہنگ مرتب کیا۔

شاعری میرے اندر ایک شدید جذبے سے اٹھتی ہوئی ایک تند و تیز لہر کا نام ہے۔ اس لہر کو اپنے اوج تک لانے کے لیے مجھے کسی بھی لمحے شراب، حشیش یا تمباکو کا سہارا نہیں لینا پڑا۔ میں بنیادی طور پر غزل کا شاعر ہوں۔ لہٰذا اس مجموعے میں آپ کو صرف یہی پاکیزہ اور دلربا صنف پڑھنے کو ملے گی۔ میں نے شاعری مشاعروں میں پڑھنے کے لیے نہیں کی بلکہ اپنے دل کی بات ایک عام قاری اور سامع تک پہنچانے کی غرض سے کی۔ اس سفر میں کس حد تک میں انہیں اپنے ساتھ لے کر چل سکا، اس کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ میں اپنے ایک عام قاری پر ہی چھوڑتا ہوں۔ وہ قاری جس کا دل محبت سے لبریز اور تعصب سے پاک ہوتا ہے۔

اس مجموعہ کی ترتیب، ادارت اور نظرِ ثانی کے لیے اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر نوید یوسف کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ محترم امجد اسلام امجد اور نجیب احمد صاحب نے میرے بارے میں جو کلمات تحریر کیے، وہ میری حوصلہ افزائی کے لیے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مشاہیر کو تندرستی کے ساتھ دیر تک ہمارے درمیان سلامت رکھے۔ آمین۔ ڈاکٹر سید رضی محمد نے میرے طالب علمی کے زمانے کی جو یادیں اپنے مخصوص اندازِ فکر کے ساتھ محفوظ کی ہیں وہ صرف ایک مخلص دوست ہی رقم کر سکتا ہے۔

عباس تابش صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے اپنی گراں قدر مصروفیات سے وقت نکالا اور ایک سیر حاصل دیباچہ تحریر کیا۔ اس کے علاوہ میں احسان مند ہوں اپنے ان دو ملین سے زائد چاہنے والوں کا جنہوں نے فیس بک پر مجھے پڑھا اور سچے دل سے سراہا۔

ڈاکٹر یاسین عاطر

دُعا

مرے خدا، مرے لہجے میں عاجزی کر دے
مجھے تُو عبد بنا اور متقی کر دے

ترے سوا نہ پکاروں کسی وسیلے کو
تُو اس قدر مرے ایماں میں پختگی کر دے

مرا وجود تو تاریکیوں کا خوگر ہے
دِیا جلا جو مرے دل میں روشنی کر دے

ملے جو شخص اُسے نیک مشورہ دے دوں
بخیل ہوں میں بہت، تُو مجھے سخی کر دے

وہ پاک حرف عطا کر مری سماعت کو
جو گرد و پیش کے اس شور میں کمی کر دے

کبھی تو بھیج مری سمت ابرِ تر ایسا
جو اک چٹان سی مٹی میں بھی نمی کر دے

کر اپنے رحم سے محدود میری دانائی
اور اپنے ذکر میں مصروف زندگی کر دے

○

سوچتا ہوں کہ ترے عشق میں ایسا ہو جاؤں
تو جو چھو لے مری مٹی کو تو سونا ہو جاؤں

میں ترے ساتھ بِتا دوں یہ جوانی اپنی
رفتہ رفتہ ترے پہلو ہی میں بوڑھا ہو جاؤں

مسکراہٹ تری کر دیتی ہے دوچند مجھے
تُو نہ دیکھے جو مری سمت تو آدھا ہو جاؤں

تو ہی ہر لحظہ نئی وضع میں رکھتا ہے مجھے
ایک دن تجھ سے جو بچھڑوں تو پرانا ہو جاؤں

غیر ممکن ہے کوئی دام گرا دے میرے
تو اگر ٹھہرے خریدار تو سستا ہو جاؤں

O

یہ نہیں زخم کچھ نیا ہے مرا
درد کا تجربہ جدا ہے مرا

حرف سے خون رس رہا ہے مرے
شعر میں درد بولتا ہے مرا

آنکھ میں یہ چمک نہیں میری
ایک آنسو ٹھہر گیا ہے مرا

خود ہی فائز ہوں پہرہ داری پر
مجھ میں اک شخص جاگتا ہے مرا

ایک تم سے نہیں شناسائی
ورنہ ہر شخص آشنا ہے مرا

○

کل اس کا ذکر سرِ خاص و عام ایسا تھا
نہ چھپ سکا کہ وہ ماہِ تمام ایسا تھا

اُسے قریب سے دیکھا تو دل دھڑکنے لگا
میں کیا کروں مرے دل کا نظام ایسا تھا

حسین تھا وہ بہت پر قریب تر اُس کے
کوئی پہنچ نہ سکا انتظام ایسا تھا

جو اس کو دیکھ لے ہو جائے گا شکم لبریز
کہ اُس کی دید میں شامل طعام ایسا تھا

پھر اُس نے کھول دی چاہت کی اپنی بارہ دری
کہ قصرِ عشق میں میرا خرام ایسا تھا

جو اُس کے ہجر میں لکھا تھا ڈوب کر عاطرؔ
سنا گیا وہ مکرّر کلام ایسا تھا

O

لوگو اب کیسا گلہ، کیسی شکایت اس کی
عشق ہو جائے تو جائز ہے امامت اس کی

اس نے مجھ کو بھی بنا ڈالا کڑے دل والا
مجھ کو رونے نہیں دیتی ہے محبت اس کی

دیکھنے میں تو وہ اک عام سی لڑکی ہے مگر
عشق ہر روز بڑھا دیتا ہے قیمت اس کی

جس طرح دیکھو لگے جسم مکمل اس کا
کیسے پوشاک چھپا سکتی ہے زینت اس کی

بھولنا چاہوں تو آ جاتی ہے کچھ اور قریب
دل کی دیوار سے لگ جاتی ہے صورت اس کی

تم کو شاید ہی نظر آئے مماثل اس کا
اس طرح چاند میں ڈھونڈو نہ شباہت اس کی

اس کو دیکھو تو کبھی دھوپ بھرے ساحل پر
جب ذرا سانولی ہو جاتی ہے رنگت اس کی

اس کا چہرہ نہ کسی شخص کو دھوکا دے گا
اس کا چہرہ جو چھپاتا نہیں نفرت اس کی

جب بھی سجدے میں وہ رکھ دیتی ہے پیشانی کو
میرے کمرے میں مہک جاتی ہے برکت اس کی

گھر بھی پکوان کی خوشبو میں بسا رہتا ہے
پھیلتی جاتی ہے ہر سمت ہی لذت اس کی

ایک محشر ہے دل و جاں میں اترنا اس کا
مجھ میں ہر روز ہی برپا ہے قیامت اس کی

O

اتنا سیراب ہونے والا تھا
میں تہِ آب ہونے والا تھا

تیز اس حسن کی حرارت تھی
جسم سیماب ہونے والا تھا

ایک آمد غزل کی تھی اس پل
اک نیا باب ہونے والا تھا

پھر سے بیمار کر دیا اس نے
میں شفایاب ہونے والا تھا

اس کا ملنا بھی گاہے گاہے تھا
میں بھی کم یاب ہونے والا تھا

چھت تھی کمزور بارشوں کے لیے
فرش تالاب ہونے والا تھا

اک سفینہ وہ بن گئی عاطرؔ
جب میں گرداب ہونے والا تھا

O

لوگ لے آئے ایسی حالت تک
جرم لگنے لگی شرافت تک

اس قدر تم نے دھوپ میں رکھا
سانولی ہو گئی ہے رنگت تک

اب مجھے جس طرف بھی لے جاؤ
میں تو بس آ گیا محبت تک

بن گیا جب سے عشق کا مجرم
کوئی دیتا نہیں ضمانت تک

دیکھ کر اُس حسین پیکر کو
رُک گئی میرے دل کی حرکت تک

بے ادب ہوگیا زمانہ بھی
کوئی سنتا نہیں نصیحت تک

اب بناوٹ کی مسکراہٹ ہے
کام کرتی نہیں ظرافت تک

خواب آور دوائی کھا لی ہے
اور بدل دی جنوں کی حالت تک

اب نہ اولاد تم کو پوچھے گی
تم نے تو بانٹ دی وراثت تک

اتنی شدت کی پیاس ہے عاطرؔ
خشک ہے جسم کی رطوبت تک

O

اَن گنت پھول، انتخاب گلاب
عادتیں کر گیا خراب گلاب

وہ ہے ناراض اس کی چوکھٹ پر
لے کے جاؤں گا بے حساب گلاب

نذر جو کر سکوں گا اس کے حضور
شہر میں کب وہ دستیاب گلاب

اس کی رنگت ہے کیا، بدن کیسا؟
ان سوالوں کا ہے جواب گلاب

ایسے لگتا ہے اہلِ دل کے لیے
بن گیا عشق کا نصاب گلاب

ہر نئے پھول میں تجسس ہے
کس طرح سے ہے کامیاب گلاب

پتی پتی بکھر گیا کیوں کر
کر نہ لے میرا احتساب گلاب

O

میں تو بیٹھا ہوں ترا ہجر مسلسل پکڑے
یونہی اک روز مہک جاؤں گا صندل پکڑے

تو جو بچھڑا تو ترے شہر میں کوچہ کوچہ
گھومتا ہوں میں تری یاد کا آنچل پکڑے

ناگہاں ایسے پکڑتا ہے مجھے تیرا خیال
راہ میں جیسے اچانک کوئی پاگل پکڑے

میری آنکھوں میں تو دن رات ہے گریہ برپا
تو بھی جب روئے تری چشم نہ کاجل پکڑے

کیا خبر کس کے مقدر میں ترے عارض و لب
جانے اب کون ترے جسم کا مخمل پکڑے

اے ہوا تجھ سے سنبھلتا نہیں ننھا سا دِیا
تو تو چلتی ہے برستا ہوا بادل پکڑے

میں وہ عاشق کہ ہر اک گام لپک کر مجھ کو
کبھی صحرا، کبھی پربت، کبھی جنگل پکڑے

زندگی کا یہ سفر کارِ مشقت عاطرؔ
کہیں پتھر تو کہیں پاؤں کو دلدل پکڑے

O

دوستی جب سے سمندر سے بنا لی میں نے
اپنی جیبوں سے بہت ریت نکالی میں نے

دل کے ایوان میں جس وقت پڑا قرعۂ فال
جو ترے نام کی پرچی تھی اٹھا لی میں نے

ورنہ لے جاتا یہ سیلابِ زمانہ سب کچھ
یہ تو اچھا ہے تری یاد بچا لی میں نے

کشتِ جاں کو یہی سیراب کیے رکھتی ہے
نہر جو عشق کے دریا سے نکالی میں نے

مال کے ساتھ محبت کا نہ بٹوارا ہو
اپنی دیوارِ ہوس خود ہی گرا لی میں نے

مل گیا عشق سے انعام میں صحرا مجھ کو
اک یہ معراجِ محبت بھی کما لی میں نے

O

مدتوں دل میں چھپا رکھی تھی خواہش اس کی
اب تو ہر حرف سے ہوتی ہے نمائش اس کی

لمحہ لمحہ وہ اترتا ہے مری رگ رگ میں
مجھ میں یہ تاب کہاں روک دوں گردش اس کی

میری آنکھیں ہی بتا دیتی ہیں جب اس کا پتہ
کیسے شعروں میں چھپاؤں گا ستائش اس کی

اس پری زاد کو ہے دل میں بسایا جب سے
کرتا رہتا ہوں مزین یہ رہائش اس کی

اپنے اندر ہی وہ شرما کے سمٹ جاتی ہے
جب بھی کرتا ہوں کبھی اس سے گزارش اس کی

یوں تو خوددار ہوں پر اس کو منا لیتا ہوں
ذہن پر بوجھ سا بن جاتی ہے رنجش اس کی

اس گھڑی خود کو میں بیمار سمجھ لیتا ہوں
جب کبھی دل سے نکل جاتی ہے خواہش اس کی

اب میں چاہوں تو کروں کیسے تجاہل اس سے
لے کے آ جاتا ہے ہر شخص سفارش اس کی

ہے فقط اس کی توجہ ہی شفا بخش مجھے
ہے فقط میری محبت ہی جوارش اس کی

اہلِ دانش ہو کہ صوفی یا قلندر عاطر
غور سے سنتے ہیں سب لوگ نگارش اس کی

O

آج کرتے ہیں گفتگو صاحب
ہو رہا ہے جو چار سُو صاحب

اک کنوئیں کی طرح اداس ہے دل
کوئی لاتا نہیں سبو صاحب

دفعتاً اس کی یاد نے گھیرا
کر کے بیٹھے تھے ہم وضو صاحب

شہر میں کون خوش بدن اس سا
کون ہے اس سا خوبرو صاحب

جان لیوا ہیں قربتیں اس کی
اور بچانی ہے آبرو صاحب

زخم پر تو لگا چکے مرہم
چاک کرنا ہے اب رفو صاحب

ہم تو چپ چاپ سنتے رہتے ہیں
بولتا ہے مگر لہو صاحب

مل ہی جائے گا جو نصیب میں ہے
کیوں کریں اتنی جستجو صاحب

O

شکل دلکش ہے بہت جسم ہے پیارا اس کا
اہلِ دل کرتے ہیں رک رک کے نظارا اس کا

ساتھ اس کے کبھی نکلوں جو گلی کوچوں میں
ایسا لگتا ہے کہ یہ شہر ہے سارا اس کا

دشت ہے وہ تو اٹھاؤں گا مسافت اس کی
اک سمندر ہے تو ڈھونڈوں گا کنارا اس کا

اب مرا ذہن مقیّد ہے تو حیرت کیسی
اتنی مدت سے مرے دل پہ اجارا اس کا

انجمن میں تو چلے آؤ ہو عاطر اس کی
کیا کبھی تم نے کوئی ہجر گزارا اس کا؟

O

آئینے صاف نہیں رکھتے ہو
تم جو انصاف نہیں رکھتے ہو

جو محبت دے تمہیں اپنوں کی
ایسے اوصاف نہیں رکھتے ہو

تم وہی ہو جو اپنے لوگوں کو
اپنے اطراف نہیں رکھتے ہو

گفتگو کرتے ہو مبہم اکثر
حرف شفاف نہیں رکھتے ہو

بھول جاتے ہو سبھی ماں کے حقوق
پیٹ پر ناف نہیں رکھتے ہو؟

O

دل میں اچھا قیاس پہنا کر
میرے ملنے کی آس پہنا کر

تیری رنگت پہ خوب کھلتا ہے
زعفرانی لباس پہنا کر

اپنے نازک، گلاب ہونٹوں پر
گفتگو مت اداس پہنا کر

آج کل شہر میں نکلتے ہوئے
سارے ہوش و حواس پہنا کر

سب سے بہتر یہی ہے دل کے لیے
اک یقیں کی اساس پہنا کر

میرا چہرہ ہو تیری آنکھوں میں
بس یہی لطفِ خاص پہنا کر

اب یہ موسم بدل گیا عاطر
گرمیوں میں کپاس پہنا کر

○

بہت یہ زندگی آسان رکھتا
اگر ترتیب سے سامان رکھتا

تعلق اس سے پیچیدہ نہ ہوتے
محبت کی اگر گردان رکھتا

وہ کرتا گفتگو شائستگی سے
بڑے چھوٹے کی تو پہچان رکھتا

نہ اتنا جھوٹ بلواتی یہ دنیا
حقیقت پر اگر ایمان رکھتا

سہل ہوتی تری بخشش اگر تو
ترازو میں کھرے اوزان رکھتا

اگر تجھ کو بتا دیتا میں کیا ہوں
تجھے میں کس طرح حیران رکھتا

اگر نہ منفرد ہوتا تخیل
تو غالب سے بڑا دیوان رکھتا

اگر آتے نہیں پیارے محمدؐ
تو پتھر کا کوئی بھگوان رکھتا

○

پھر آج خود کو سجایا ہے اس نے شام کے بعد
زہے نصیب بلایا ہے اس نے شام کے بعد

عجیب روشنی چھنتی ہے اس کی آنکھوں سے
چراغِ دل کو جلایا ہے اس نے شام کے بعد

جو دن گزار دیا احتیاط کرتے ہوئے
مگر گلے سے لگایا ہے اس نے شام کے بعد

زمیں کی گود میں رکھ دی پلک پلک اپنی
عجیب فرش بچھایا ہے اس نے شام کے بعد

ذرا سی دیر میں حیران کر دیا مجھ کو

مرا وہ شعر سنایا ہے اس نے شام کے بعد

خرد کا شیش محل سارا توڑ کر عاطرؔ

جنوں کا شہر بسایا ہے اس نے شام کے بعد

O

اک خزانہ سمجھ کے دیکھو مت
مجھ کو دن رات یوں سنبھالو مت

اپنے سینے سے یوں لگاؤ نہیں
بے سبب گود میں سمیٹو مت

مجھ کو دیکھو تو دور سے دیکھو
اپنے ہاتھوں سے یوں ٹٹولو مت

ہے اجازت کہ سر سے پاؤں تلک
زخم دیکھو مرے کریدو مت

اک تعلق رکھو وقار کے ساتھ
مجھ پہ اس طرح جان وارو مت

اتفاقاً جو مل گیا ہوں تمہیں
میری تنہائیوں سے کھیلو مت

میں غریب آدمی ہوں میرے لیے
اتنی سنجیدگی سے سوچو مت

O

میں سفر کر کے چلا آیا ہوں احباب کے بیچ
وہ عجب شخص کہ بیٹھا رہا اسباب کے بیچ

جلوۂ یار کا ہے کس سے تقابل ممکن
تم کبھی غور سے دیکھو اسے مہتاب کے بیچ

دسترس میں ہے تمہاری تو بھلا دو اس کو
دل میں اترا تو ٹھہر جائے گا اعصاب کے بیچ

پھر وہ محسوس نہ کر پائے گا کھدر کا گداز
جب کوئی جسم رہے ریشم و کمخواب کے بیچ

دل کی ہر بات لب و لہجہ بتا دیتا ہے
یعنی دشنام، جو پوشیدہ ہے القاب کے بیچ

ایسا لگتا ہے مجھے اس سے بچھڑ کر عاطرؔ
جس طرح ڈال دیا ہو مجھے تیزاب کے بیچ

O

گر نظر میری آسمان میں ہے
پر مری جان تو بھی دھیان میں ہے

کوئی ٹھہرا نہ خانۂ دل میں
کوئی آسیب اس مکان میں ہے

ہر کسی سے ہو مشورہ لازم
کیا عجب رسم خاندان میں ہے

کتنی مشکل سے سانس لیتا ہوں
کچھ ہوا ہے جو بادبان میں ہے

اس سے نہ فیصلہ سفر کا ہوا
پاؤں میرا بھی پائدان میں ہے

سب مطالب مرے بدل ڈالے
یہی خوبی تو ترجمان میں ہے

کتنے عنوان دوں اسے عاطرؔ
ایک ہی شخص داستان میں ہے

O

وہ عشق میں مجھے تسخیر کر کے چھوڑے گا
گلی گلی مری تشہیر کر کے چھوڑے گا

جو یوں قریب رہا اس کا ماہتاب بدن
مرے وجود کو تنویر کر کے چھوڑے گا

وہ چھو رہا ہے مری روح کے اثاثوں کو
سخنوری مری جاگیر کر کے چھوڑے گا

وہ ہجر بانٹ رہا ہے تمام بستی میں
اسی دوا ہی کو اکسیر کر کے چھوڑے گا

جو میرا نام شجر کے تنے پہ لکھتا ہے
کل اس کو ریت پہ تحریر کر کے چھوڑے گا

وہ شخص جس کا تصرف ہے میری سانسوں پر
وہ دھڑکنوں کو بھی زنجیر کر کے چھوڑے گا

مجھے یقین ہے عاطرؔ کہ وہ مرا قاتل
مرے مزار کی تعمیر کر کے چھوڑے گا

O

اپنی میراث میں دولت کا ارادہ چھوڑو
اور محبت کو ضرورت سے زیادہ چھوڑو

مجھ کو تنہائی کی آغوش میں رہنے دو کبھی
میرے اطراف کبھی میرا لبادہ چھوڑو

گھر کے اندر بڑا دالان ضروری ہے مگر
گھر کے باہر ذرا رستہ بھی کشادہ چھوڑو

کس لیے ہے مرے کپڑوں، مرے بالوں کا خیال
کتنا اچھا ہو اگر تم مجھے سادہ چھوڑو

یہ تقاضائے زمانہ ہے کہ رفتار ہو تیز
تم کو تکلیف ہے چلنے میں تو جادہ چھوڑو

شاعری کو نہیں رکھنا ہے نشے سے منسوب
شعر کہنا ہے تو پھر ساغر و بادہ چھوڑو

○

اس انجمن کو واقفِ اسرار چاہیے
مٹی پہ تبصرہ ہو تو کمہار چاہیے

اب تک کے حادثات سے تو جی نہیں بھرا
پھر ناشتے کی میز پر اخبار چاہیے

ملتا نہیں مزا کسی عیار کے بغیر
لگتا ہے دل کو دخترِ بازار چاہیے

کس طرح زخم خوردہ کو ہوگی شفا نصیب
ہر دن مرے طبیب کو بیمار چاہیے

شاید اسی سبب سے محبت کا ہو فروغ
اونچی سی درمیان میں دیوار چاہیے

ہر یار مرا کھوٹ کی ٹکسال ہے عاطر
اور دوستی کو پیار کا دینار چاہیے

O

مجھ کو اللہ سے وہ ڈر کے نہیں دیکھتا ہے
تمکنت میں ہے نظر بھر کے نہیں دیکھتا ہے

چاہتا ہے کہ نظر آؤں سلامت اس کو
زخم لیکن مرے اندر سے نہیں دیکھتا ہے

کیسے اندازہ ہو اس دل کے دھڑکنے کا اسے
کان سینے پہ کبھی دھر کے نہیں دیکھتا ہے

کیوں نہ گلیوں میں پھروں صرف دعائیں لے کر
دل فقیرانہ سفر کر کے نہیں دیکھتا ہے

بس یہی رنج ہے عاطرؔ کہ وہ منصف میرا
دونوں پلڑے ہوں برابر کے نہیں دیکھتا ہے

O

سانس گہرا تو دل کھلا رکھیے
اپنے سینے کو جاگتا رکھیے

اک دِیا دیر تک نہیں جلتا
اک دِیا گھر میں دوسرا رکھیے

برملا سچ تو کہہ دیا تم نے
سچ کے سننے کا حوصلا رکھیے

صرف بازار سے شکایت کیوں
اپنا سکّہ بھی تو کھرا رکھیے

پیار سے دیکھیے محبت کو
سر چھپانے کا آسرا رکھیے

O

نہ یوں فقط مرے سینے کے بال دیکھا کر
اتر کے روح میں میرا جمال دیکھا کر

میں تیرے واسطے کرنے لگا ہوں مزدوری
مری رگیں، مرے ہاتھوں کی کھال دیکھا کر

نئی محبتیں ماضی سے کٹ کے ہوتی ہیں
نہ بدظنی سے مرا پچھلا سال دیکھا کر

میں تیرے نام کو دل کے سوا بھی لکھتا ہوں
ان آس پاس درختوں کی چھال دیکھا کر

محبتیں بھی تو ملتی ہیں رزق کی صورت
محبتوں میں بھی رزقِ حلال دیکھا کر

بساطِ زیست ہے اب تیرے سامنے عاطرؔ
کتاب چھوڑ کر مہروں کی چال دیکھا کر

O

سچے تھے جتنے حرف انہیں زیبِ تن کیا
سچی سماعتوں ہی کو جزوِ بدن کیا

اک سائباں تراش کے لائے جو دھوپ ہم
اس کی حرارتوں سے رقم یہ سخن کیا

خوشبو تمام درد کی لوگوں میں بانٹ دی
فرقت کا ایک زخم گلِ یاسمن کیا

اس پر نثار کر دیئے وجداں کے سات رنگ
تب اس کے خدوخال کو ہم نے کرن کیا

اس کا جمال دیکھ کے سرمست ہم رہے
اس کے خرامِ ناز کو اپنی تھکن کیا

عاطرؔ منافقت سے کبھی دوستی نہ کی
جو بھی گنہ کیا وہ سرِ انجمن کیا

O

ہے کتنا سلیقہ تری گفتار کے اندر
انکار بھی پوشیدہ ہے اقرار کے اندر

سچائی بھی کہنے کے طریقے ہیں بہت سے
پر خانہ خرابی مرے اظہار کے اندر

اس طرح سے مستور محبت مرے دل میں
جیسے ہو کوئی دائرہ پرکار کے اندر

یارو مجھے عزت مرے اللہ نے دی ہے
تم خامیاں ڈھونڈو مرے کردار کے اندر

یہ تمکنت و منصب و پندار و رعونت
سب چھوڑ دیا کوچۂ دلدار کے اندر

اب اپنے مسیحا کو وہ کس طرح بتائے
جو درد چھپا ہے کسی بیمار کے اندر

O

لکھنے بیٹھوں تو خواب لگتا ہے
یوں تو پل پل کتاب لگتا ہے

رات کے بے بہا اندھیرے میں
اک دیا آفتاب لگتا ہے

جانے کیا ہوگیا بصارت کو
دائرہ تک حباب لگتا ہے

کبھی صحرا بھی آبنائے تھا
اب سمندر سراب لگتا ہے

اس کی قربت میں ہے مہک ایسی
لمحہ لمحہ گلاب لگتا ہے

اس کی لب بستگی پہ مت جانا
جسم کرنے خطاب لگتا ہے

اس سے مل کر خطائیں ہوتی ہیں
جس سے ملنا ثواب لگتا ہے

اس سے بچھڑوں تو ایک دن عاطؔر
اک صدی کا حساب لگتا ہے

O

بادل تھے برس کے چھٹ گئے ہم
ورثے کی طرح سے بٹ گئے ہم

بس عشق نہ ہو سکا، اگرچہ
سانپوں کی طرح لپٹ گئے ہم

مدت سے محاذِ ہجر پر ہیں
سمجھو نہ ہمیں پلٹ گئے ہم

کب تک نہ اپنا دہن کھولیں
آتش فشاں تھے پھٹ گئے ہم

نکلے تھے حسین دوپہر میں
سائے کی طرح سے گھٹ گئے ہم

کب تک رکھیں گے تیز مانجھا
اچھا ہی ہوا کہ کٹ گئے ہم

نکلے تھے بڑے دلیر بن کر
کچھوے کی طرح سمٹ گئے ہم

عاطرؔ نہیں یہ معجزہ کیا؟
اس کی جو زباں پہ رٹ گئے ہم

O

دل میں جو درد چھپایا ہے اسے دیکھنے دو
جس نے یہ زخم لگایا ہے اسے دیکھنے دو

اپنی دیوانگی اب اس سے چھپاتے کیوں ہو
جو گریبان تراشا ہے اسے دیکھنے دو

شعر لکھ لکھ کے بہت ڈال دیئے ردّی میں
ایک کاغذ جو بچایا ہے اسے دیکھنے دو

اس کے ہاتھوں سے یہ برباد ہوا ہے کتنا
دل خرابہ ہے یا ملبا ہے اسے دیکھنے دو

خوش بدن ہے تو مسلسل کسی آئینے میں
یہ جو مٹی کا سراپا ہے اسے دیکھنے دو

تجربہ ایک نیا کرنے کی خواہش ہے اسے
شخص جو میرے علاوہ ہے اسے دیکھنے دو

ان کتابوں پہ پڑی گرد نہ جھاڑو عاطرؔ
یہ جو بکھرا ہوا کمرہ ہے اسے دیکھنے دو

O

بجھ گیا ہے جو ٹمٹما کے چراغ
جل رہا تھا ہوا کو کھا کے چراغ

اصل میں اس کو مہنگا پڑتا ہے
بھول جاتا ہے جو جلا کے چراغ

اے ہوا زور اب دکھا اپنا
میں نے رکھا ہے اک بجھا کے چراغ

اک فقط اس بدن کو چھوتے ہی
جھلملانے لگے قبا کے چراغ

روشنی دل کی سمت جاتی ہے
تھام لیتا ہوں جب دعا کے چراغ

کیوں جلاتے ہو دھوپ میں عاطرؔ
پاس رکھو ابھی بچا کے چراغ

O

نقائص چھپ گئے منظر کے پیچھے
بہت دھبے ملے اُستر کے پیچھے

وہاں اک آستیں کا ذکر نکلا
سنی جب داستاں خنجر کے پیچھے

بدن کے دشت سے نکلا تھا دریا
ذرا دیکھا جو چشمِ تر کے پیچھے

چھپا رکھا ہے اک سینے کی سِل نے
دھڑکتا ہے یہ دل پتھر کے پیچھے

نظر آتا ہے جو وہ سچ نہیں ہے
حقیقت اور ہے منظر کے پیچھے

پکڑ کے لائے ہو قاتل کو لیکن
چھپا رکھا ہے منہ چادر کے پیچھے

یہ دھڑکا تھا شفا کیسے ملے گی
مگر اک ہاتھ تھا نشتر کے پیچھے

کبھی دیکھی نہ بچوں کی شرارت
لگے رہتے تھے ہم دفتر کے پیچھے

O

ایک بستی ہے اسی صحرا کے بیچ
اک جزیرہ ہے اسی دریا کے بیچ

ہم نہیں ملتے سرِ جشنِ طرب
تم کہاں سے آ گئے گریہ کے بیچ

آج ہم نے پڑھ لیا بین السطور
جو لکھا ہے قصۂ فردا کے بیچ

ہم فقط چہروں سے دھوکا کھا گئے
رقص میں جنات تھے دنیا کے بیچ

کب ہوئی آہن رُبا کو وہ نصیب
جو کشش ہے اس رخِ زیبا کے بیچ

سیکھتے رہتے ہیں ہم اردو زباں
میرؔ، غالبؔ، آتشؔ و سوداؔ کے بیچ

O

تو نے دیکھا ہے کسی جسم میں خنجر جاتا
ایسے محسوس ہوا مجھ کو دسمبر جاتا

کل ترے ہجر میں اک یہ بھی کرامت دیکھی
اشک کو دیکھ لیا چشم کے اندر جاتا

پھر بھلا چلتا یہاں کارِ مسیحا کیسے
درد نہ ہوتا اگر، زخم اگر بھر جاتا

کیوں بھلانے میں اسے اتنا تردّد کرتا
مجھ کو بھی بھول اگر میرا ستمگر جاتا

گر نہ دیتے یہ مرے لوگ دعائیں مجھ کو
میں بھی اوروں کی طرح زیست بسر کر جاتا

عشق کمزور کیسے دیتا ہے عاطرؔ کو ترے
تیرا دیدار نہ ملتا تو کہیں مر جاتا

O

وہ نثر ہے تو غزل کی زبان دے دوں گا
بھٹک رہا ہے تو اس کو امان دے دوں گا

میں دھوپ اوڑھ کے آیا ہوں اس کے پہلو میں
ٹھہر گیا تو اسے سائبان دے دوں گا

بس ایک ہجر گزاروں گا اس کے وصل کے بیچ
اور اس کو فصل سے پہلے لگان دے دوں گا

اگر وہ چاہتا ہے اس کی سوچ ہو ہر دم
تو اس کی سمت ہی سارا دھیان دے دوں گا

مرے خیال کی گر وہ زمین پر عاطر
اتر گیا تو اسے آسمان دے دوں گا

O

یہ دھند ہے یا تمہیں چشمِ تر سے دیکھتا ہوں
کہ تم کو آتا ہوا رہ گزر سے دیکھتا ہوں

مری نظر میں تعصب ہے کچھ تمہارے لیے
دکھائی دیتے ہو اچھا جدھر سے دیکھتا ہوں

جو چاند چھت پہ تمہاری ہے دیکھتے رہنا
ادھر میں چاند وہی اپنے گھر سے دیکھتا ہوں

نظر جو غیر پہ ڈالی تو بدگمان نہ ہو
تمہاری سمت الگ ہی نظر سے دیکھتا ہوں

کشش کے نام پہ عاطرؔ زمیں کی چاہت کو
مثالِ برگ اُتر کر شجر سے دیکھتا ہوں

O

کوئی حجاب نہ ہوتا، حیا نہیں ملتی
اگر زمیں کو فلک کی ردا نہیں ملتی

وہ بجھ نہ جائے کہیں دھیان رکھا جاتا ہے
دیے کو حد سے زیادہ ہوا نہیں ملتی

طبیب کیوں مری تشخیص کر کے نازاں ہے
مرض تو وہ ہے کہ جس کی دوا نہیں ملتی

دعا تو مانگ رہے ہیں یہ بستیوں والے
مگر کسی کی کسی سے دعا نہیں ملتی

ہمیں تو رب نے اتارا ہے اس زمانے میں
جہاں بدن پہ مکمل قبا نہیں ملتی

عمل کے ساتھ خدا نیتوں کو دیکھتا ہے
کہ نیکیوں کے عوض تو جزا نہیں ملتی

سماعتوں کے شکنجے میں دم نہیں عاطرؔ
کہ حرف بول رہے ہیں صدا نہیں ملتی

○

دل تھا جب آسماں کی چاہت میں
ابر کیوں رکھ لیا بصارت میں

عشق کا کھیل کوئی سہل نہیں
پختگی چاہیے ریاضت میں

برف کا کام تو پگھلنا تھا
کیوں تکبر ہوا تمازت میں

اب ترے میرے وصل کا ہوگا
فیصلہ، ہجر کی عدالت میں

پڑھ رہا ہوں کتابِ زیست، مگر
غلطی ہے بہت کتابت میں

شعر وہ ہے کہ جس میں حکمت ہو
ورنہ جائز نہیں شریعت میں

O

وہ اگر گھر مرے مہماں ہوتا
عید کرنا بہت آساں ہوتا

میرے آنگن میں ستارے ہوتے
موسمِ گل مرا درباں ہوتا

ایک بجلی سی کڑکتی مجھ میں
ایک دریا سا خراماں ہوتا

میری قیمت میں اضافے ہوتے
اس کی قربت میں جو ارزاں ہوتا

وہ نہ ہوتا تو نہ کہتا کچھ بھی
جب وہ ہوتا تو غزل خواں ہوتا

اس کی عادت مری عادت ہوتی
بے سبب میں بھی پریشاں ہوتا

کوئی پیغام بھی دیتا اس کو
پاس گر مرغِ سلیماں ہوتا

عشق چہرے سے نہ چھپتا عاطرؔ
صبح کی طرح نمایاں ہوتا

O

محبتوں میں خطوں کو گواہ کیا کرتی
وہ مجھ کو چوم کر کاغذ سیاہ کیا کرتی

اک آدمی کو سمجھتی تھی کائنات تو پھر
ہجومِ شہر سے وہ رسم و راہ کیا کرتی

مرے حروف ہی جب اس بدن کا زیور تھے
بہت امیر تھی دولت کی چاہ کیا کرتی

وفا کے عہد نے ماپال کر دیا اس کو
وہ مجھ سے پیشتر اپنا بیاہ کیا کرتی

میں جب حیات کے صحرا سے بچ نکل آیا
مجھے وہ پھول سی لڑکی تباہ کیا کرتی

اب اپنے کرب کی لاچاریوں پہ ہنستا ہوں
کہ میرے دل سے نکل کر بھی آہ کیا کرتی

○

میں غائب ہوں یا حاضر مت بتاؤ
مجھے میرے مناظر مت بتاؤ

ابھی کچھ تشنگی رہنے دو باقی
ابھی قصے کا آخر مت بتاؤ

بس اک فرعون کو کافی ہے موسیٰ
کھڑا ہے جو بھی ساحر مت بتاؤ

کہاں قزاق نے شب خون مارا
کہاں ڈوبے مسافر مت بتاؤ

یہاں فصلوں کو کس نے روند ڈالا
جلے کیسے دفاتر مت بتاؤ

پسِ پردہ یہاں سچائی کیا ہے
اسے تم میرے عاطرؔ مت بتاؤ

O

کہاں یہ پیٹ کا خرچا زیادہ ہوتا ہے
بچا کے جیب میں رکھا زیادہ ہوتا ہے

وہ جتنا زیادہ یہاں کھوکھلا ہے اندر سے
اسی کا شہر میں چرچا زیادہ ہوتا ہے

چند ایک حرف ہی ہوتے ہیں آبرو اس کی
کتاب میں کہاں لکھا زیادہ ہوتا ہے

اک عام شخص کی رائے کو معتبر سمجھو
اک عام شخص ہی سچا زیادہ ہوتا ہے

سفید رنگ ہی دھبے قبول کرتا ہے
سفید رنگ ہی میلا زیادہ ہوتا ہے

○

گزرتا وقت، بدلتی رتوں کا منظر ہوں
میں آبشار ہوں، اب منجمد سمندر ہوں

ازل سے ملتا رہا خلق کو مرا سایا
میں ایک مہر ہوں لیکن شجر کے سر پر ہوں

وہ اس طرح سے مری سوچ کے حصار میں ہے
کہ جیسے دھر ہے وہ اور میں سکندر ہوں

وہ جیسے میرے لیے آخری صحیفہ ہے
میں جیسے اس کے لیے آخری پیمبر ہوں

مجھے خبر نہیں خود کو کہاں میں چھوڑ آیا
وہ چاہتا ہے مکمل اسے میسر ہوں

○

یہ مت سوچو تمہیں شہرِ ہوا تبدیل کرنا ہے
وہ جس میں دم نہیں ہے وہ دِیا تبدیل کرنا ہے

اگر ہے مانگنا تو عاجزی سے مانگنا سیکھو
دعا تم کو نہیں طرزِ دعا تبدیل کرنا ہے

بدل سکتے ہو تم اس شہر کے حالات کو کیسے
تمہیں پہلے گھرانے کی فضا تبدیل کرنا ہے

سراپا منتظر ہوں، پر تمہیں تاخیر تو ہوگی
تمہیں چہرہ بدلنا ہے، قبا تبدیل کرنا ہے

مرے عاطر کوئی ہجرت کبھی آساں نہیں ہوتی
تمہیں گھر ہی نہیں گھر کا پتا تبدیل کرنا ہے

O

عمر بھر اس کا میزبان رہا
وہ بچھڑ کر قریبِ جان رہا

جب سے وہ شخص بھا گیا دل کو
اپنی جانب ہی کم دھیان رہا

مندمل ہو گیا ہے مدت سے
زخم ایسا تھا اک نشان رہا

جسم بھیگا رہا پسینے میں
اک شجر گرچہ سائبان رہا

زندگی کا نصاب تھا مشکل
اور ہر اک روز امتحان رہا

O

تو نے ہلکا سا ستم رکھا ہے جاری مجھ پر
اے مرے دوست کوئی ضرب ہو کاری مجھ پر

جب بھی گلیوں میں ترا ہجر پہن کر نکلوں
تب یہ پوشاک لگے اور بھی پیاری مجھ پر

ایک جنگل کا شجر تھا نہ رکی میری اٹھان
لوگ بے وجہ چلاتے رہے آری مجھ پر

دفعتاً مجھ پہ تری نظرِ عنایت کیسی
اب نیا بوجھ نہ ڈالو کوئی بھاری مجھ پر

شام ڈھلتی ہے تو چپکے سے محبت عاطرؔ
نیند کی طرح سے ہو جاتی ہے طاری مجھ پر

O

دور رہ کر نہ کبھی ہجر بیانی کرتا
عشق ہوتا جو اسے نقلِ مکانی کرتا

روز پیغامِ محبت وہ مجھے بھیجتا ہے
اس سے بہتر تھا کوئی بات زبانی کرتا

طنزیہ حرف میں ماضی کو کریدا اس نے
پیار سے کرتا اگر بات پرانی کرتا

سچ اگر ہوتا تو برجستہ سنا دیتا مجھے
جھوٹ میں پیدا وہ کس طرح روانی کرتا

گر مزاجاً وہ مری طرح کا ہوتا عاطرؔ
پھر تو اس عمر رسیدی میں جوانی کرتا

O

اس سے کب دوبدو کلام کیا
ہر سخن ہم نے جس کے نام کیا

ساری کلیاں چٹکنا بھول گئیں
اس نے گلشن میں جب خرام کیا

اس کی آنکھوں سے پوچھیے جس نے
دن دہاڑے ہی قتلِ عام کیا

زندگی اور اک بسر کرتے
جتنی مدت میں اس کو رام کیا

جب بلایا تھا اپنے گھر اس کو
کھول کر دل کو انتظام کیا

اک جھڑپ بھی ہوئی، مگر اس نے
ساتھ ہی بیٹھ کر طعام کیا

ایک چائے کا کپ پیا ہم نے
اور طبیعت کو تیز گام کیا

بس یہی معرکہ ہوا اس دم
اپنے اس نفس کو غلام کیا

منتشر ہو کے کیسے ممکن تھا
متحد ہو کے جیسا کام کیا

جب بھی ٹھہرے تو قبلہ رو ٹھہرے
جب سفر میں کہیں قیام کیا

ہم کو حسرت سے دیکھنے والو
درد جھیلا تو یہ مقام کیا

علم، حکمت، یہ منصب و دولت
دور سب یہ خیالِ خام کیا
ہوگئی سہل زندگی عاطؔر
ہجر کا جب سے اہتمام کیا

○

ہر چند کچھ نہیں میں جسامت کے زور پر
طاقت مگر بڑی ہے محبت کے زور پر

چاہت میں تری شہر مجھے جاننے لگا
زندہ ہوں تیرے عشق کی برکت کے زور پر

لگتا ہے تیرے ہجر میں اس شہر نے مجھے
بیمار کر دیا ہے عیادت کے زور پر

میں کہہ سکوں غزل یہ کہاں ہے مری مجال
بس لکھ رہا ہوں رنگِ حقیقت کے زور پر

خوشبو نہ ہو تو پھول کو ملتا نہیں دوام
کب تک جیے گا صرف وہ رنگت کے زور پر

O

آپ کا حسنِ نظر ہے جو ہمیں چاہتے ہیں
ورنہ کیا ہم میں ہنر ہے جو ہمیں چاہتے ہیں

کیا سخن ہی کی بدولت ہے عقیدت ہم سے
یا محبت کا اثر ہے جو ہمیں چاہتے ہیں؟

اتنا آساں تو نہیں ساتھ ہمارے چلنا
ان کا پیچیدہ سفر ہے جو ہمیں چاہتے ہیں

ہم کو رہتی ہے کسی اور ہی دنیا کی تلاش
ان کو بس اتنی خبر ہے جو ہمیں چاہتے ہیں

ہم فقیروں کے مقرب ہیں فقط دل والے
پاس دولت ہے نہ گھر ہے جو ہمیں چاہتے ہیں

عشق والوں سے ہے پرکیف ہماری محفل
ان پہ اک بارِ دگر ہے جو ہمیں چاہتے ہیں

O

میں جہاں روشنی کا پہرا تھا
سچ کے جگنو تلاش کرتا تھا

لوگ خشکی سمجھ کے رہتے تھے
نیچے پانی کا شہر بستا تھا

لوگ خوشبو کے کتنے رسیا تھے
اور تعفن بھی کتنا پھیلا تھا

لوگ کرتے تھے کل کی بات مگر
مسئلہ آج کا گزرنا تھا

کارواں یوں بھٹک گیا آخر
کاغذوں پر نشانِ دریا تھا

اتنے چہروں میں بس وہ اک چہرہ
میری بینائی کا بسیرا تھا

ایک وہ شخص تھا حسیں ایسا
جس پہ ہر ایک رنگ کھلتا تھا

اور پھر سب پہ ہو گیا ظاہر
اک تعلق جو اس کا میرا تھا

بن بلائے وہ میرے پاس آکر
کس قدر نیکیاں کماتا تھا

میں بھی پاگل تھا اس کی یادوں کو
پسلیوں میں دبا کے بیٹھا تھا

اب مجھے اس ہوا کی عادت ہے
اک دیا روز جل کے بجھتا تھا

○

سمندر پیاس میں ڈوبا ہوا ہے
وہ اب بارش کا پانی چاہتا ہے

شجر کی ٹہنیاں ویران کر کے
یہ موسم زرد پتے گن رہا ہے

جہاں کل سینکڑوں سجدے ہوئے تھے
وہی میدان جوہڑ بن گیا ہے

نہ اتنا قیمتی ساماں سجاؤ
اگر خالی ہو کمرہ گونجتا ہے

چھتوں پر برف پھر گرنے لگی ہے
یہ موسم ہم سے بدلے لے رہا ہے

وہ جس نے کر دیا ہے قتل میرا
اسی کو خوں بہا بھی مل رہا ہے

کھلے منظر میں دنیا دیکھتا ہوں
مرے چہرے کے پیچھے آئینہ ہے

سخن سارا اسی کے نام کا تھا
وہ بچھڑا ہے تو ایسا لگ رہا ہے

○

اس نے باہوش کر دیا ہے مجھے
جب سے خاموش کر دیا ہے مجھے

سب خطائیں وہ جانتا ہے مری
اور خطا پوش کر دیا ہے مجھے

ڈال کر مجھ پہ اک نگاہِ کرم
پھر سے پرجوش کر دیا ہے مجھے

جب سے نغمہ سرا ہوا وہ بدن
ہمہ تن گوش کر دیا ہے مجھے

ایک پتھر تھا جس کی چاہت نے
نرم آغوش کر دیا ہے مجھے

لطف کیسے اٹھاؤں چاہت کا
جب ستم کوش کر دیا ہے مجھے

جذبۂ عشق تھا عطا اس کی
جس نے خوش پوش کر دیا ہے مجھے

O

ہے جیسے شمس و قمر سے اس آسمان کی شان
بڑوں کے دم سے ہی ہوتی ہے خاندان کی شان

تھا بزمِ یار میں حقے کا اہتمام کبھی
ضیافتوں میں تھی اک روز پاندان کی شان

عجب ہے شہر، قواعد نہ انضباط کوئی
نہ بادشاہ کی عزت، نہ پاسبان کی شان

وقارِ عشق میں مطلق کمی نہیں آتی
خسارا اور بڑھاتا ہے اس دکان کی شان

اسی سے بنتا ہوں عاطرؔ غزل کا پیراہن
بس اک کپاس کی کھیتی ہے اس کسان کی شان

O

کچھ نہ اس کام میں کفایت کی
میں نے دل کھول کر محبت کی

سستے داموں کہاں میں بکتا ہوں
بس ترے واسطے رعایت کی

کام اس شہر میں یہ مشکل تھا
پر ترے عشق کی حفاظت کی

مجھ کو اب کچھ گلہ نہیں خود سے
میں نے جی بھر کے تیری چاہت کی

میں تو مجبور ہوگیا اس پل
جب ترے ہجر نے بغاوت کی

○

لکھ سکیں ہم کاش لفظوں کے بغیر
جو سماعت میں ہے کانوں کے بغیر

وہ ہجومِ بے کراں ہے شہر میں
سر نظر آتے ہیں شانوں کے بغیر

آدمی جتنا ہو چاہے نفع گر
جی نہیں سکتا خساروں کے بغیر

اک حجابِ ابر ہو جو درمیاں
آسماں لگتا ہے تاروں کے بغیر

بے کراں پھیلی ہوئی اک اک صدی
رائیگاں ہے چند لمحوں کے بغیر

جان لو اس کی جڑوں میں ہے نمو
جب شجر ہو جائے پتوں کے بغیر

حرف کو اتنی حقارت سے نہ دیکھ
فتح کر سکتا ہے جنگوں کے بغیر

مال و زر نے گھر مقفل کر دیئے
نیند ہے کافور تالوں کے بغیر

ہم سے اب اتنی بھی امیدیں نہ رکھ
کیا گلاب ہوتا ہے خاروں کے بغیر

اس قدر اچھی نہیں ہے سادگی
بات سمجھا دی سوالوں کے بغیر

کام ہے دونوں کا عاطر منسلک
دل نہیں دھڑکے گا سانسوں کے بغیر

O

شاید اس واسطے ہے سب سے لگاؤ زیادہ
میرے احساس کی بھٹی میں الاؤ زیادہ

لوگ سمجھے کہ مرا زخم ہے رنگین بہت
شدتِ درد سے تھا خوں کا بہاؤ زیادہ

کتنے احباب تھے گنتی مجھے معلوم نہیں
مجھ کو اس بار لگے پشت میں گھاؤ زیادہ

اس کو گرداب کے منظر میں مزہ آتا ہے
میں نے دیکھی ہے جہاں ڈوبتی ناؤ زیادہ

اَن گنت اس کے بدن میں ہیں کشش کے پہلو
اک یہ پہلو کہ کمر میں ہے کٹاؤ زیادہ

مہرباں کوئی دریچہ تھا نہ در تھا عاطر
اس کی بستی میں کیا پھر بھی پڑاؤ زیادہ

○

ہم نہ لوگوں کے ستائے ہوئے ہیں
یوں ہی کچھ روگ لگائے ہوئے ہیں

آ کے معصوم ہوا پوچھتی ہے
یہ دیے کس کے بجھائے ہوئے ہیں

کس طرح سے ہو رسائی تم تک
تم نے دربان بٹھائے ہوئے ہیں

جتنا ممکن ہو مدارات کرو
ہم بہت دور سے آئے ہوئے ہیں

اس کے چہرے کو نہ پہچان سکے
رنگ پہ رنگ چڑھائے ہوئے ہیں

ہے تجسس میں خریدار بہت
تم نے جو دام گرائے ہوئے ہیں

فائدہ ہم سے اٹھاتے ہیں بہت
دل کو کچھ لوگ جو بھائے ہوئے ہیں

دیکھ پیروں کی مشقت عاطر
کب سے یہ جسم اٹھائے ہوئے ہیں

O

یہ ریشم و کمخواب کہیں مار نہ ڈالے
دولت کا یہ سیلاب کہیں مار نہ ڈالے

یہ بھوک کی شدت کہیں گمراہ نہ کر دے
یہ پیٹ کا تیزاب کہیں مار نہ ڈالے

دنیا تو حقیقت میں ہے میدانِ عرفات
یہ خواہشِ اسباب کہیں مار نہ ڈالے

کانوں کو سناتے رہو آیاتِ مقدس
یہ نغمہ و مضراب کہیں مار نہ ڈالے

عاطرؔ نہ کرو چاہ کسی نام و نسب کی
یہ عزت و آداب کہیں مار نہ ڈالے

O

میں تخت پر نہیں پتھر پہ بیٹھ جاؤں گا
وگرنہ خاک کی چادر پہ بیٹھ جاؤں گا

حیات تو نے گھمایا ہے مجھ کو دائرہ وار
جو تھک گیا، کسی چکر پہ بیٹھ جاؤں گا

تمہیں ہے شوق تو گھومو کسی سفینے میں
میں گرم ریت کے بستر پہ بیٹھ جاؤں گا

حصولِ علم کی خاطر سفر ضروری ہے
جو اسپ نہ ملا خچر پہ بیٹھ جاؤں گا

اگر یہ صبر مرا اشک بن گیا اُس کا
تو اُس کی آنکھ کے منظر پہ بیٹھ جاؤں گا

O

تیرے چہرے پہ جو لکھے ہیں مقالات پڑھوں
غور سے دیکھوں ترے سارے مسامات پڑھوں

تیرے ہونٹوں کی بھی تعریف ضروری ہے مگر
زیرِ لب جتنی نمایاں ہیں شکایات پڑھوں

پہلے انساں کو سمجھنے کی ضرورت ہے مجھے
یہ مجھے کس نے کہا ہے کہ نباتات پڑھوں

بارشوں کی بھی ضرورت ہے زمیں کو لیکن
اپنی دیوارِ شکستہ کے تو حالات پڑھوں

یعنی اُس وقت ہی وہ دے گا جوابات مجھے
پہلے اُس شخص کی مرضی کے سوالات پڑھوں

کس لیے ڈالر و دینار کی گنتی عاطرؔ
اس سے بہتر ہے کہ سعدی کی حکایات پڑھوں

O

شاعر ہوں مری شستہ بیانی پہ نہ جانا
مشکل ہوں بہت، میری روانی پہ نہ جانا

آ کر کبھی سچائی پڑھو آنکھ میں میری
جو حرف لکھوں اس کے معانی پہ نہ جانا

میں نے تو نئے عشق کا آغاز کیا ہے
اس وقت مری پچھلی کہانی پہ نہ جانا

دل اب بھی مرا کوچۂ دلبر میں پڑا ہے
تم لوگ مری نقلِ مکانی پہ نہ جانا

خوشبو کے حوالے سے وہ موہ لیتی ہے اکثر
اے سادہ نفس رات کی رانی پہ نہ جانا

○

تری تلاش میں ہیں روز و شب مری آنکھیں
نہیں یہ فکر کہ سوئیں گی کب مری آنکھیں

ترا سراغ نہ مل پائے گا کسی کو کہیں
ترا نشاں، ترا نام و نسب مری آنکھیں

دکھائی دوں گا میں شفاف اس گھڑی تجھ کو
تو اپنی آنکھ میں رکھے گا جب مری آنکھیں

بری نظر سے بچائے رکھے خدا تجھ کو
دعا یہ مانگتی رہتی ہیں اب مری آنکھیں

بہک گیا تھا اچانک میں آج تیرے حضور
وگرنہ یوں تو بڑی باادب مری آنکھیں

○

اک وہ لڑکی بھی مطلبی ہے میاں
پیار سکوں میں تولتی ہے میاں

سر سے پاؤں تلک اسے دیکھا
اک بناوٹ کی دلکشی ہے میاں

اس کو حاجت نہیں سماعت کی
آنکھوں آنکھوں میں بولتی ہے میاں

کس قدر شخصیت ہے پیچیدہ
یوں تو چہرے پہ سادگی ہے میاں

ایک عادت ہے مشترک اپنی
رات بھر وہ بھی جاگتی ہے میاں

بات کرتی ہے اعتماد کے ساتھ
جیسے مدت سے جانتی ہے میاں

عشق بھی ایک سانحہ ہے عجب
وہ گلے مل کے رو رہی ہے میاں

اس بدن کی صفات کیا کہیے
آگ بھی وہ ہے پھول بھی ہے میاں

اس کو مشکل دکھائی دیتا ہوں
جب کبھی مجھ کو سوچتی ہے میاں

جیت لی اس نے اک معاش کی جنگ
اب وہ آگے نکل گئی ہے میاں

اب تو ڈالر ہی دورِ حاضر میں
اک غزل، نظم، مثنوی ہے میاں

آؤ تم کو ملائیں عاطر سے
جس کے شعروں میں تازگی ہے میاں

O

مجھ سے بچھڑے ہوئے لوگو! مجھے آ کر مل لو
اے مری زیست کے رستو! مجھے آ کر مل لو

مجھ سے لے لینا سفر میں جو خسارہ ہوگا
رات دن اتنا نہ سوچو مجھے آ کر مل لو

بیٹھ کر گفتگو بے ساختہ کرنا ہے مجھے
ہر تکلف کو مٹا دو مجھے آ کر مل لو

فون کی گھنٹیاں سن کر میں بہت تھک سا گیا
دور سے یوں نہ پکارو مجھے آ کر مل لو

تھا تمہاری ہی طرح میں بھی توانا اک دن
اے نئی نسل کے بچو! مجھے آ کر مل لو

آج خاموش پڑا ہوں کسی ساحل کی طرح
رقص کرتی ہوئی لہرو! مجھے آ کر مل لو

اور تو کچھ بھی نہیں میری نقاہت کا علاج
اپنی چاہت کی دوا دو مجھے آ کر مل لو

تم ہی چہرہ ہو مرا اور ہو آنکھیں میری
اے مرے چاند ستارو! مجھے آ کر مل لو

ایک تصویر مداوائے ملاقات نہیں
صرف پیغام نہ بھیجو مجھے آ کر مل لو

O

سفر محال تھا تم سے نہ مل سکا اس سال
دکھوں کا جال تھا تم سے نہ مل سکا اس سال

تعلقات کشیدہ تو تھے مگر پھر بھی
یہی ملال تھا تم سے نہ مل سکا اس سال

غزل اداس ادھوری پڑی رہی میری
سخن نڈھال تھا تم سے نہ مل سکا اس سال

وہی تھی عید، وہی چوڑیاں، وہی مہندی
وہی ہلال تھا تم سے نہ مل سکا اس سال

دکھوں کی بھیڑ میں گم ہوگئیں تھیں آشائیں
خوشی کا کال تھا تم سے نہ مل سکا اس سال

وہ کشمکش تھی، کسل مند ہوگیا عاطر
شکستہ حال تھا تم سے نہ مل سکا اس سال

O

اک غزل بھی کہی نہیں ہے یہاں
آنکھ وہ سرمئی نہیں ہے یہاں

ہم بھی پلکیں بگھو لیا کرتے
پر ہوا میں نمی نہیں ہے یہاں

کس سے غم کا تبادلہ رکھیں
کوئی چہرہ دکھی نہیں ہے یہاں

عشق ہوتا تو اس پہ اتراتے
یہ بھی پونجی بچی نہیں ہے یہاں

زندگی کی کوئی رمق ہی نہیں
نبض گرچہ تھمی نہیں ہے یہاں

ہم تھے بدنام تیری گلیوں میں
اک بھی تہمت لگی نہیں ہے یہاں

○

نرم، ملائم، کومل ہوگی
وہ ریشم یا مخمل ہوگی

اس کا چہرہ دیکھنے والو
دیکھو، دل میں ہلچل ہوگی

میں بھی ہوں وحشت کی زد میں
وہ بھی ہجر میں بے کل ہوگی

جب اترے گی خواب میں میرے
تب یہ نیند مکمل ہوگی

میں پربت کے جیسا، اور وہ
مجھ کو چھوتا بادل ہو گی

میں بھی سپنوں کا شہزادہ
وہ بھی روپ میں صندل ہو گی

میں جیسے اک بھول بھلیاں
وہ بھی الجھا جنگل ہو گی

حسن ہے جس کا سونا عاطرؔ
برتو گے تو پیتل ہو گی

O

ترا وصل جسے نصیب ہوگا
وہ شخص نہ پھر غریب ہوگا

ہر روشنی ساتھ ساتھ ہوگی
ہر پھول بہت قریب ہوگا

ہر روز محفلِ دل سجے گی
ہر شام کوئی ادیب ہوگا

کچھ اور سخن کے طور ہوں گے
ہر شعر بہت عجیب ہوگا

ہر سو دھنک کے رنگ ہوں گے
خوشبو کی طرح نقیب ہوگا

جس شہر میں جا کے تو بسے گی
ہر شخص ترا حبیب ہوگا

O

کبھی غرور کا نشہ نہ سر پہ طاری کر
مری بلا سے فقیری یا تاجداری کر

کچھ اس سے زیادہ تو میں مانگتا نہیں تجھ سے
جو ہو سکے تو محبت کی پاسداری کر

مرا جو رنگ ہے اس میں قبول کر مجھ کو
وگرنہ مجھ سے بچھڑنے کا حکم جاری کر

ذرا سی بات کو بے وجہ اتنا طول نہ دے
نہ ایک ٹاٹ پر اتنی کشیدہ کاری کر

میں جان بوجھ کر انجان بن رہا ہوں اگر
معاملات میں مجھ سے نہ ہوشیاری کر

جو مال باندھ کے رکھا ہے بانٹ دے اس کو
نہ ایسے بیٹھ کر ہر دن عدد شماری کر

تمام عمر بگولوں کی فصل کاٹے گا
کہا تھا کس نے کہ صحرا کی آبیاری کر

O

ابھی موسم نہیں بدلا ہے میرا
ابھی دریا نہیں اترا ہے میرا

تم اس مرکز کو کھو بیٹھے ہو شاید
جہاں سے دائرہ بنتا ہے میرا

میں جس دیوار کا پہلو نشیں ہوں
اسی کے سائے پر سایا ہے میرا

نہ دیکھو اس طرح آنکھوں میں میری
کہ اُن سے بھی پرے رستا ہے میرا

ہوا زندہ رکھے یا قتل کر دے
دیا دیوار پر رکھا ہے میرا

O

وہ جو اشک تھے سب برس گئے، نیا سال پھر سے گزر گیا
تجھے دیکھنے کو ترس گئے، نیا سال پھر سے گزر گیا

وہ سپولیے تری یاد کے، جنہیں اہتمام سے پالتے
مجھے اول اول ہی ڈس گئے، نیا سال پھر سے گزر گیا

وہ جو ہم سفر تھے حبیب تھے مرے جسم و جاں سے قریب تھے
کسی دور شہر میں بس گئے، نیا سال پھر سے گزر گیا

وہ جو دوستی کا نشان تھے، کڑی دھوپ میں سائبان تھے
وہ درخت سارے جھلس گئے، نیا سال پھر سے گزر گیا

مرے لب پہ اس کا لعاب تھا، وہ جو اک کہانی کا باب تھا
سب ہی قربتوں کے وہ رس گئے، نیا سال پھر سے گزر گیا

O

پگھلتے برف کا ٹکڑا کبھی انگارا تھا
وہ آدمی کبھی پتھر تھا، کبھی پارا تھا

میں اس کی نرم اداؤں کو ڈھونڈتا ہی رہا
ہوائے شام تھا وہ صبح کا ستارا تھا

رہا نہ پھر کسی ساحل پہ اعتماد مجھے
میں ڈوبتا ہی گیا وہ عجب کنارا تھا

کبھی کبھی مری چاہت میں اتنی شدت تھی
کہ اس کا دور بھی رہنا مجھے گوارا تھا

پھر ایک روز اچانک ہی مل گیا مجھ کو
نہ کوئی حرفِ دعا تھا، نہ استخارا تھا

اسی کا حسن سکونت پذیر ہے دل میں
اسی کا عکس ہی غزلوں میں آشکارا تھا

اب اس کے ہجر نے لہجے کو تلخیاں دے دیں
وگرنہ میں تو محبت کا استعارا تھا

O

ختم ہو غم کا سفر رات سے پہلے پہلے
تم سے مل آؤں اگر رات سے پہلے پہلے

آج کے دن مجھے تکلیف بہت دی تم نے
بھول جاؤں گا مگر رات سے پہلے پہلے

تم بھی سو جاؤ گی بستر کے کسی کونے میں
میں بھی جاؤں گا بکھر رات سے پہلے پہلے

دھوپ ہر شاخ کے پتوں کو جواں رکھتی ہے
سانس لیتا ہے شجر رات سے پہلے پہلے

آنکھ ہے سرخ بہت شدتِ غم سے عاطرؔ
پھٹ نہ جائے یہ جگر رات سے پہلے پہلے

O

یہ دھند ہے یا تمہیں چشمِ تر سے دیکھتا ہوں
کہ تم کو آتا ہوا رہ گزر سے دیکھتا ہوں

مری نظر میں تعصب ہے کچھ تمہارے لیے
دکھائی دیتے ہو اچھا جدھر سے دیکھتا ہوں

جو چاند چھت پہ تمہاری ہے دیکھتے رہنا
ادھر میں چاند وہی اپنے گھر سے دیکھتا ہوں

نظر جو غیر پہ ڈالی تو بدگمان نہ ہو
تمہاری سمت الگ ہی نظر سے دیکھتا ہوں

کشش کے نام پہ عاطر زمیں کی چاہت کو
مثالِ برگ اتر کر شجر سے دیکھتا ہوں

○

وصل اس کا نہ رفاقت اس کی
پھر بھی دن رات ہے وحشت اس کی

دف بجاتا ہے لہو اور مجھ میں
رقص کرتی ہے محبت اس کی

دائرہ وار سفر ہے اس کا
طے نہ کر پاؤں مسافت اس کی

حرف در حرف ہے چہرہ اس کا
سطر در سطر شباہت اس کی

معتدل ہو گیا موسم ایسا
یاد آنے لگی شدت اس کی

اب جو سوچوں تو بدن ٹوٹتا ہے
ایک نشہ تھا کہ قربت اس کی

جیسے چاہے مجھے مصروف کرے
عرصۂ زیست ہے فرصت اس کی

اس کو سینے میں چھپا لو عاطر
شہر بھر کو ہے ضرورت اس کی

O

تم سے اگر نہ ملتا سائیں
کیسے وقت گزرتا سائیں

کوئی نہ تم سے اچھا سائیں
میں نے پہروں سوچا سائیں

میں ہوں ایک مسافر گویا
تم ہو میرا رستا سائیں

تم سے اب کیا راز چھپائیں
میرا راز تمہارا سائیں

ساگر سے گر پیار نہ ہوتا
دریا الٹا بہتا سائیں

کل شب میں نے خواب تھا دیکھا
کیا تم نے بھی دیکھا سائیں

تم اور میں اک ساتھ اکیلے
کمرہ ضبط سے مہکا سائیں

میری باتیں کان تمہارے
بیچ میں اک سناٹا سائیں

کاغذ پر دو چار لکیریں
اور نہ کچھ بھی لکھا سائیں

میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے
تم نے بھی کچھ سوچا سائیں

O

نہ تیرے وصل کا ابھرا سوال چہرے پر
ابھی تو صرف میں دیکھوں جمال چہرے پر

سنا تھا یہ کہ کبھی وقت تھم نہیں سکتا
سو تھم گئے ہیں کئی ماہ و سال چہرے پر

اسی سے لوگ اب میری شناخت کرتے ہیں
لگا تھا زخم جو اک پچھلے سال چہرے پر

جس اعتماد سے دیتا ہے تو فریب مجھے
اس اعتماد کو رکھنا بحال چہرے پر

یہ حوصلے کی نشانی ہے یا محبت کی
سجا ہوا ہے تبسم نڈھال چہرے پر

کتاب کھول کر کیا دیکھنے چلے عاطر
ہر ایک شخص کی لکھی ہے فال چہرے پر

O

وہ ہمیں کب تلک ستا لے گا
خود ہی تھک کر گلے لگا لے گا

عمر کا آفتاب ڈھلنے دو
اپنی قیمت وہ خود گھٹا لے گا

ڈوبنا ہے تو باندھ لو پتھر
ورنہ پانی بہت اچھالے گا

بھوک جب انتہا کو پہنچے گی
آدمی، آدمی کو کھا لے گا

اس کو پھولوں کا ہار پہنا دو
اپنی گردن وہ خود جھکا لے گا

کھوکھلے قہقہوں سے وہ عاطر
اپنی مایوسیاں چھپا لے گا

○

وہ انجمن میں مصور کا شاہکار لگے
کھڑا ہو جب بھی حسینوں میں تاجدار لگے

لبوں پہ اس کے لطافت کے رنگ اترے ہیں
وہ دشت میں بھی بہاروں کا راز دار لگے

بس ایک روز اسے آزما کے دیکھنا ہے
جو گفتگو میں وفاؤں کا پاس دار لگے

اگرچہ شہر میں یکتا ہے دلکشی اس کی
وہ میرے ساتھ کھڑا ہو تو باوقار لگے

جب ایک پھول کھلا ہو تو دیکھتے ہیں سبھی
کسے خبر ہے کہ ٹہنی پہ کتنے خار لگے

میں دیکھتا ہوں اسے شمس کے حوالے سے
یوں دیکھنے میں تو دیوار سایہ دار لگے

کبھی جو طیش میں آئے تو پھر اسے دیکھو
وہ ایک شخص جو چہرے سے بردبار لگے

O

میری جیب کا سکہ پھول
تیری گود کا بچہ پھول

مٹی جل میں ملنے دو
ہو جائے گا دریا پھول

گھر کے بند دریچوں پر
مکڑی کا اک جالا پھول

پھول حیا کا ہر انداز
چادر، شال، دوپٹہ، پھول

ہر بستی کا حسن الگ
صحرا بیچ بگولا پھول

سارا دن اک خارستان
شام کا لمحہ لمحہ پھول

سب سے اچھا تیرا خواب
خواب میں تیرا چہرہ پھول

پھر سے تو نے نوچ دیا
پتی پتی سارا پھول

اک اچھی اور سچی بات
دل مہکے تو دنیا پھول

ہم کہاں اپنا حال سوچیں گے
اس پری کا جمال سوچیں گے

شعر تو خود بخود حسیں ہوگا
اس کے جب خدوخال سوچیں گے

نامناسب ملے گی ہر تمثیل
جب بھی اس کی مثال سوچیں گے

ایک حد ہے قیاس کرنے کی
اب کہاں تک مآل سوچیں گے

یہ وہ گنتی کہ ختم نہ ہوگی
جب بھی درہم ریال سوچیں گے

تم اٹھا کر بساط لاؤ تو
کیسے چلنی ہے چال سوچیں گے

اک غزل ہی نمود پائے گی
ہم سے جب خستہ حال سوچیں گے

کس قدر خوش نصیب ہیں عاطرؔ
اس کے شانوں پہ بال سوچیں گے

O

بات کرنے کو مہرباں وقفہ
شکر، سانسوں کے درمیاں وقفہ

اس لیے دیکھتا رہا اس کو
ہو نہ جائے یہ رائیگاں وقفہ

پھر سے کچھ دیر ہو گئی مجھ کو
اس کے چہرے پہ تھا عیاں وقفہ

اس لیے وہ ہوا خفا مجھ سے
کر دیا نذرِ دوستاں وقفہ

کب سے جاری ہے درمیاں اپنے
ایک چپ چاپ بے زباں وقفہ

کس کو ملتی ہے ہجر کی فرصت
اتنا ملتا ہے اب کہاں وقفہ

کاٹ دے گا وہ میری بات وہیں
اُس کو گر مل گیا جہاں وقفہ

پھر سے کچھ شعر لکھ دیے اس پر
ہو گیا پھر سے جاوداں وقفہ

O

تمام شہر میں یکتا یہ میری ذات نہ کر
کہ ڈھلتی عمر ہے اب اتنا التفات نہ کر

یہ قربتیں بھی میسر ہوئیں نصیبوں سے
تعلقات میں اب اور تجربات نہ کر

یہ اور بات کہ میں قدر آشنا ہوں مگر
نثار جسم کے مجھ پہ جواہرات نہ کر

ترے ہی حسن پہ اک نظم لکھ رہا ہوں ابھی
تری ہی سوچ میں ہوں آج مجھ سے بات نہ کر

مجھے خبر ہے کوئی تیرے انتظار میں ہے
بس اپنے گھر کو چلی جا تو اتنی رات نہ کر

○

تم مرے دل کو سمجھنا نہیں پتھر جیسا
ایک ذرہ ہے جو طاقت میں ہے جوہر جیسا

حق کی خاطر میں اکیلا بھی نکل آؤں اگر
اپنے دشمن کو نظر آؤں گا لشکر جیسا

یوں تو سنگلاخ چٹانوں سے بنا ہوں لیکن
تم جو چاہو گے تو ہو جاؤں گا بستر جیسا

ڈھونڈ لیتا ہوں میں خوبی کوئی نشتر والی
جب کوئی حرف نظر آتا ہے نشتر جیسا

اب تکبر کی کوئی بات نہ کرنا عاطرؔ
اب ترے گھر کا بھی ماحول ہے باہر جیسا

O

مجھے اس بات کا غم ہو رہا ہے
کہ اب کچھ حافظہ کم ہو رہا ہے

کبھی اس شہر میں جھگڑا نہ کرنا
یہاں ہر شخص رستم ہو رہا ہے

ابھی بھیجا نہیں بچوں کو باہر
ابھی آیات کا دم ہو رہا ہے

لگی ہے بھیڑ ایسی بادلوں کی
کہ اک سورج بھی مدھم ہو رہا ہے

گلی کوچوں میں ہے اللہ اکبر
دلوں کے بیچ سرگم ہو رہا ہے

وہاں شوال آ کر کیا کرے گا
کہ جس دل میں محرم ہو رہا ہے

ادھر دنیا خفا ہے اور گھر میں
مزاجِ یار برہم ہو رہا ہے

O

اب نہ چاٹو یہ مرے کان، بہت تھک گیا ہوں
جھوٹ سن سن کے مری جان، بہت تھک گیا ہوں

آج موسم ہے بہت سرد رضائی دے دو
اور طبیعت ہے پریشان، بہت تھک گیا ہوں

میرا دن رات یہ کہنا کہ محبت ہے مجھے
کرتے کرتے یہی گردان، بہت تھک گیا ہوں

کب تک اسباب سجاتا رہوں ترتیب کے ساتھ
زندگی کر مری آسان، بہت تھک گیا ہوں

میں نے یہ راز بہت دیر چھپائے رکھا
اب تو ہے جسم کا اعلان، بہت تھک گیا ہوں

مفت میں بانٹ دو جا کر کسی بستی میں اسے
سب اٹھا لو مرا سامان بہت تھک گیا ہوں

کس قدر علم کی بھرمار ہوئی ہے مجھ پر
اب عطا ہو مجھے عرفان، بہت تھک گیا ہوں

O

دل کا اک اختیار رہنے دو
خون میں کچھ فشار رہنے دو

یوں نہ پانی کی پٹیاں رکھو
جو چڑھا ہے بخار رہنے دو

یہ سیاست کا ایک حربہ ہے
شہر میں انتشار رہنے دو

بارشوں کی دعا نہیں مانگو
راستوں میں غبار رہنے دو

کچھ تو پیچھے کرو مکاں اپنا
سامنے رہ گزار رہنے دو

بیچنا مت کھنڈر کی دیواریں
ان کے نقش و نگار رہنے دو

مجھ کو عمرے کی دو مبارک باد
بندگی کا خمار رہنے دو

O

انا کے نشے میں ہم لوگ مست ہو گئے ہیں
کہ دل سیاہ ہیں، لہجے کرخت ہو گئے ہیں

اب ایسے شہر میں زندوں کی قدر کیا ہوگی
جہاں کے لوگ ہی مردہ پرست ہو گئے ہیں

بدل گئی ہے کچھ اس طرح کیمیا اپنی
ہم ایسے لوگ جو سونا تھے جست ہو گئے ہیں

توقعات لیے اپنی چشمِ پرنم سے
ہمیں نہ دیکھنا ہم دل کے سخت ہو گئے ہیں

ہوا کا جبر بڑھاتا ہے ہمتیں ان کی
اب آندھیوں سے توانا درخت ہو گئے ہیں

جو تم نہیں ہو تو اب بھی گزارہ ہو رہا ہے
تمہارے بعد سبھی بندوبست ہو گئے ہیں

O

عشق میں اس کو اک نظر دیکھو
اور پھر خود کو دربدر دیکھو

سائے کا راز جاننا ہے اگر
دھوپ میں بیٹھ کر شجر دیکھو

میری دہلیز پر کھڑے کیا ہو
اندر آ جاؤ میرا گھر دیکھو

بس نہ جائے دل و دماغ میں وہ
پرکشش ہے تو مختصر دیکھو

نیچے آ کر بڑے سکون میں ہوں
تم بھی یہ سیڑھیاں اتر دیکھو

غش نہ آ جائے دیکھ کر عاطرؔ
اس پری وش کو بیٹھ کر دیکھو

O

میٹھا لذیذ شہد بھرا عشق ہے مرا
بے داغ، پاک صاف، کھرا عشق ہے مرا

جھک جائے گا وزن سے لچک دار ہے بہت
پھل دار شاخ جیسا ہرا عشق ہے مرا

پھر سے محبتوں کے نئے قافلے میں ہے
پھر سے مثالِ بانگِ درا عشق ہے مرا

تیرے لیے سخن کو سجانے پہ کار بند
تیرے لیے ہی نغمہ سرا عشق ہے مرا

ہر لمحہ تیرے پاس ہے، تجھ سے قریب ہے
تیرے ہی زانوؤں پہ دھرا عشق ہے مرا

O

عشق رکھتا ہے جو پابند تجھے دیکھنے میں
دل نہ ہو جائے کہیں بند تجھے دیکھنے میں

میری آنکھوں میں بسی ہے ترے جلوے کی مٹھاس
روح ہو جائے شکر قند تجھے دیکھنے میں

میں تو سمجھا تھا فقط میں ہی پرستار ترا
شہر کا شہر رضامند تجھے دیکھنے میں

روز کرتا ہے ترا ہجر ادھورا مجھ کو
روز ہو جاتا ہوں دو چند تجھے دیکھنے میں

تیرے دم سے ہی بنے شعر توانا میرا
لفظ ہو جائے تنو مند تجھے دیکھنے میں

O

مختصر یوں تو زندگی ہے میاں
اک کہانی مگر بڑی ہے میاں

ہے ضرورت عصائے موسیٰ کی
سامنے پھر سے سامری ہے میاں

میرے اندر ہی سومنات کے بت
میرے اندر ہی غزنوی ہے میاں

کس لیے اس کے بل نہیں جاتے
ایک رسی جو جل چکی ہے میاں

روشنی بھی تو چاہیے اتنی
چار سو جتنی تیرگی ہے میاں

ایک دو بارشوں سے کیا ہوگا
یہ تو صحرا کی تشنگی ہے میاں

O

رستے میں تو سائل کی طرح گھیر لیا تھا
سینے میں اسے دل کی طرح گھیر لیا تھا

وہ ایسا مجرب تھا مرے ذہن نے اس کو
اک نسخۂ کامل کی طرح گھیر لیا تھا

بکھری تھی مری ذات جو اوراق کی مانند
اس نے مجھے فائل کی طرح گھیر لیا تھا

لگتا تھا وہ اک شخص بہت سہل کہ جس نے
پیچیدہ مسائل کی طرح گھیر لیا تھا

دریا کی طرح تھا وہ مگر کھول کے باہیں
میں نے اسے ساحل کی طرح گھیر لیا تھا

اس درجہ تماشائی مرا شہر تھا عاطر
مقتول کو قاتل کی طرح گھیر لیا تھا

O

جب سے وہ شخص مرے دھیان میں ہے
اک تسلسل مرے بیان میں ہے

اس کی آواز سن نہیں پایا
اس قدر شور مرے کان میں ہے

کوئی پرچہ نہ حل ہوا اس سے
وہ محبت کے امتحان میں ہے

اس قدر ہی ہے وہ رواں گفتار
جتنی لکنت مری زبان میں ہے

زخم تو بھر چکا ہے مدت سے
درد اب زخم کے نشان میں ہے

ایک دو دن تو مجھ کو جھیلے گا
اتنی ہمت تو میزبان میں ہے

جی میں آتا ہے نوکری کر لوں
اب خسارا بہت دکان میں ہے

ابر آ کر ٹھہر گیا اس پر
اب شجر خود بھی سائبان میں ہے

جانے کس شاخ پر بسیرا ہو
اک پرندہ ابھی اڑان میں ہے

O

قلاش ہوں میں سر کا ٹھکانا خرید کر
رونا پڑا ہے یار کا کاندھا خرید کر

اتنی ہی دستیاب ہے اس سے مجھے خوشی
جتنی خوشی ہو دھوپ سے سایا خرید کر

جاتی نہیں ہے پھر بھی سمندر کی تشنگی
پیتا ہے گرچہ روز وہ دریا خرید کر

اک گھر بنا کے دل کو تسلی تو ہے، مگر
اس گھر میں روز جاتا ہوں رستا خرید کر

اب عشق کر لیا ہے تو وحشت کے واسطے
عاطرؔ کہاں سے لاؤ گے صحرا خرید کر

O

کس طرح حسن چھپائے گی جوانی اپنا
راستا خود ہی بنا لیتا ہے پانی اپنا

پہلے قرطاس پہ سچی کوئی تحریر لکھو
خود ہی عنوان بنا لے گی کہانی اپنا

تیری یادوں سے مرا جسم مہک اٹھا ہے
آ کے چہرہ تو دکھا رات کی رانی اپنا

تجھ پہ لکھوں تو کبھی حرف نہیں ملتا ہے
بھول جاتا ہے کبھی حرف معانی اپنا

کس طرح سے مجھے خوابوں میں نظر آتا ہے
ایک وہ شخص جو رکھتا نہیں ثانی اپنا

قطعات

○

وہ جن میں تیری خوشبو بس گئی تھی
انہی کپڑوں کو پھر سے دھو رہا ہوں
وہی چھتری ہے اب بھی بارشوں میں
وہی کمبل ہے جس میں سو رہا ہوں

○

عجب یقین ہے اس شخص کے حوالے سے
کہ اس کی دید کا عالم قرار کا ہوگا
گزر گیا وہ جدھر سے خزاں نہ آئے گی
جہاں ٹھہر گیا موسم بہار کا ہوگا

O

تم سے بس عشق ہے روانی میں
دل سے اظہارِ ذات کرتا ہوں
تم لبوں سے کلام کرتی ہو
اور میں سینے سے بات کرتا ہوں

O

گر محبت کے مدعی ہو تم
کچھ مدارات کیوں نہیں کرتے
صرف پیغام بھیج دیتے ہو
فون پر بات کیوں نہیں کرتے

○

ہجوم وہ ہے کہ بچھڑے ہوئے نہیں ملتے
یہ زندگی کبھی آسان ہو نہیں پاتی
کسی بھی درد کا چہرہ نظر نہیں آتا
تمہارے ہجر کی پہچان ہو نہیں پاتی

○

وقت کے ساتھ ساتھ انساں کا
اک عجب رنگ ہوتا جاتا ہے
ہمتیں ساتھ چھوڑ دیتی ہیں
دائرہ تنگ ہوتا جاتا ہے

○

میں ایک مدت سے سوچتا ہوں
کہ اپنی بے نام وحشتوں کا
نفس نفس تیرے نام لکھوں
یا تجھ کو بس اک سلام لکھوں

○

تمہارے پاس پہنچ جائیں گے گھڑی بھر میں
گماں یہ کیسا شکستہ پروں پہ ہوتا ہے
تمہارے صحن میں جب چاندنی اترتی ہے
ہمارے شہر میں سورج سروں پہ ہوتا ہے

O

قریب آ کہ محبت کا اہتمام کریں
زمانہ بیت گیا دل پہ چوٹ کھائے ہوئے
مجھے بھی ایک نئے زخم کی ضرورت ہے
تجھے بھی ہوگئی مدت مجھے ستائے ہوئے

O

مرے ہونٹوں پہ اپنے ہونٹ رکھ کر
مری سانسوں میں خوشبو گھول دینا
مجھے تازہ ہوا کی ہے ضرورت
مرے سینے کی کھڑکی کھول دینا

○

گفتگو ہو اگر دلوں کے بیچ
حرف کچھ حیثیت نہیں رکھتے
تم کو فرصت ملے تو لکھ دینا
خط کوئی اہمیت نہیں رکھتے

فردیات

پھر سے دو چار سمندر کے تھپیڑوں نے مجھے
یہ بتایا کہ مری ماں تھی جزیرہ جیسی

☆

ایک ہلکی سی بھی آہٹ ہو تو ڈر جاتا ہے
شیر کی کھال کو دہلیز پہ رکھنے والا

☆

خواب سچا ہو تو مبہم نہیں رہتا عاطر
دل وہ یوسف ہے کہ تعبیر بتا دیتا ہے

☆

میں خود کو بھی نہیں اتنا میسر
وہ سو فیصد توجہ چاہتا ہے

☆

سفر میں کیسے محبت سے ساتھ رہتے ہیں
سبق یہ میں نے پرندوں کی ڈار سے سیکھا

☆

میں اپنی ذات میں خود سے جھگڑتا رہتا ہوں
وہ چاہتا ہے رہوں اس کی حکمرانی میں

☆

ایک مدت سے ترستا ہوں ترے وصل کو میں
بن دیا ہجر کی مکڑی نے تو جالا مجھ پر

☆

تری گرفت مرا مرتبہ بڑھاتی ہے
مجھے تو اپنی محبت میں مبتلا رکھنا

☆

میں دانت پیستا رہتا ہوں رات بھر عاطرؔ
تمام دن جو مجھے مسکرانا پڑتا ہے

☆

شعر مل جائے گا ہر حسبِ سماعت تم کو
پر یہ شاعر تو مکرر نہیں ملنے والا

☆

اٹھ گئی اب تو مہ و سال سے برکت عاطرؔ
ایک ہفتہ ہے کہ اک پل میں گزر جاتا ہے

☆

اے زندگی تو مرے حوصلے کی داد تو دے
میں اٹھ کے روز نیا دن گلے لگاتا ہوں

☆

تمام شہر ہی جوگی سمجھ رہا ہے مجھے
تمہارے دھیان کی مالا گلے میں کیا پہنی

☆

آپ سینے میں چھپاتے ہیں محبت اپنی
ہم کو دیوار کے پیچھے بھی نظر آتا ہے

☆

اس کے وصل کی خاطر ہجر سے گزرنا ہے
بادلوں کی سیڑھی سے چاند پر اترنا ہے

☆

نہ جانے کون سی غربت ہے میری آنکھوں میں
کہ اس بدن میں خزانے تلاش کرتا ہوں

☆

تم سے اب میرا تعلق صرف اتنا ہے کہ بس
روز موسم دیکھ لیتا ہوں تمہارے شہر کا

☆

ایک دو گھونٹ میں کر ڈالے گا خالی تم کو
تم جو دریا ہو تو صحرا سے نہ ٹکر لینا

☆

تری گرفت مرا مرتبہ بڑھاتی ہے
مجھے تو اپنی محبت میں مبتلا رکھنا

☆

ریت بن کر مری مٹھی سے پھسل جاتی ہے
اب محبت بھی سنبھالی نہیں جاتی مجھ سے

☆

اب آ گیا ہوں تو دل میں اتار لینا مجھے
بلا کے پاس مجھے رائیگاں نہ کر دینا

☆

جانچ لیتی ہیں محبت کی نگاہیں پل میں
ناپ لے کر تو سویٹر نہیں بنتے جاناں

☆

میں تو گم نام تھا، کم قدر تھا اور خاک بسر
اک ترے عشق نے توقیر بڑھا دی میری

☆

ڈاکٹر یاسین عاطر کا غزلیہ کلام دیکھ کر ایک بار پھر میرے اس یقین کو تقویت ملی ہے کہ کتاب کے تمام تر زوال اور خانہ پری والی بے شمار شاعری کے باوجود اس صنف میں ایسے عمدہ اور باصلاحیت شاعر کسی پراسرار طریقے سے پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں جن سے اس کا وقار اور تازگی قائم ہی نہیں رہتے بلکہ اس میں نئے نئے رنگوں کا اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر یاسین عاطر کی یہ شاعری اس بات کا واضح اور مضبوط ثبوت ہے کہ دنیا بھر میں جگہ جگہ ایسی خوبصورت اور تازہ غزل لکھی جا رہی ہے جسے روایت کا ایک عمدہ تسلسل کہا جا سکتا ہے۔ وطن سے دور اور ادب کی باقاعدہ تحصیل کی کمی کے باوجود جس طرح سے انہوں نے ایسی اچھی غزل کہی ہے وہ بہت حوصلہ افزا اور لائقِ تعریف ہے۔ مجھے یہ شاعری پڑھ کر بہت اچھا لگا اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ بھی اس کے مطالعے سے ضرور لطف اندوز ہوں گے۔

امجد اسلام امجد

Saiwa Publications

عشقِ ریاضت

ڈاکٹر یاسین عاطر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عشق ریاضت

تیرے اطراف دُعا بن کے حفاظت کرتی
تُو جو ملتا تو مِری آنکھ تلاوت کرتی

عشق ریاضت

ڈاکٹر یاسین عاطرؔ

سیوا پبلی کیشنز
133۔سرکلر روڈ شاہ عالم چوک لاہور۔فون:042-37671975

تزئین و اہتمام:

نوید یوسف،حمزہ عرفان

نام کتاب: عشق ریاضت
شاعر: ڈاکٹر یاسین عاطر
صنف: غزل
ٹائٹل: محمد مختار علی
طبع اوّل: جنوری ۲۰۲۲ء
مطبع: یاسر عمر پرنٹنگ پریس
کمپوزنگ: زربفت پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور
قیمت: 1000 روپے

رابطہ

ڈاکٹر یاسین عاطر
yasinaatirpoetry@gmail.com
https://www.facebook.com/yasin.aatir.poetry
https://twitter.com/UrduPoetryAatir

انتساب

فیس بک پر اپنے تئیس لاکھ سے زائد

مداحوں کے نام

جو شب و روز مجھے اپنی بے غرض محبتوں اور سلامتی کی دعاؤں

سے نوازتے رہتے ہیں

سید حسین احسن

ترتیب و تہذیب

پیش لفظ

اگر چہ پیش لفظ کتاب کا وہ ابتدائی حصہ ہوتا ہے جس میں کتاب کے مندرجات اور مصنف کی شخصیت کے خط و خال نکھر کر سامنے آتے ہیں اور جب ہم کسی لکھاری کو اپنی کتاب پر کچھ لکھنے کی دعوت دیتے ہیں تو دراصل اپنی کتاب کا چہرہ اسے سونپ دیتے ہیں کہ وہ اس پر میک اپ کر کے ہماری تخلیقات کو اس درجہ بڑھا چڑھا کر بیان کرے کہ کتاب کے اوصاف نکھر کر سامنے آئیں اور اس کا حسن دوبالا ہو جائے۔ تنقیدی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ پیوند کاری کا ایسا عمل ہے جس میں چہرہ کسی کا ہوتا ہے اور وجود کسی کا لیکن زیر مطالعہ کتاب ''عشق ریاضت'' پر بات کرتے ہوئے میں مکمل سنجیدگی سے اپنی رائے کا اظہار کروں گا۔

اس بات سے کوئی انحراف نہیں کہ انسان جب سے اس کارگاہ حیات کا باسی بنا ہے تب سے اس کا شعور اپنے ارتقائی مراحل طے کر رہا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی انسان کو قدرت کی طرف سے عطا کی گئی تاب و توانائی پر شاہد عادل ہے۔ آج اکیسویں صدی میں انسان کی سوچ، فکر اور تخیل کا پرندہ محیط و بسیط فضا کے کئی گوشوں تک نہ صرف رسائی حاصل کر چکا ہے بلکہ نت نئے جہانوں سے آشنائی و آگاہی کی مہم اس کی فطرت کا حصہ نظر آ رہی ہے۔

اس بات سے بھی کوئی اختلاف نہیں کیا جا سکتا کہ افراتفری، نفسانفسی اور ظاہری چکا چوند نے قدرت کی تخلیق کے شاہکار کا حسن گہنا دیا ہے۔ خود غرضی کے خارزار پودوں نے اخلاق و آثار کے گلشن کا حسن ماند کر دیا ہے۔ ظلم و عدوان کے عفریت نے عدل و انصاف کا

خون کر دیا ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے طور و اطوار اور افکار و کردار پھر سے اپنی تاریخ دہرا رہے ہیں اور مادی دنیا کے آفاق اس مشت خاک کی کمند افگن امنگوں کی زد پر ہیں۔

اگر چہ علم وفن کے ذریعے ایجادات کے نت نئے نمونے حیرت انگیز طور پر منظر عام پر آ رہے ہیں لیکن آفاق کی اس ترقی میں انفسی دنیا کے معاملات تہ و بالا ہو رہے ہیں اور باطنی دنیا میں تاریکی کے سائے مسلسل بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایسے میں ان ارباب قرطاس وقلم اور صاحبان علم و دانش کا وجود غنیمت ہے جو انسانیت کے اجڑے چمن میں باد بہاری کے جھونکے کے طور پر اسے بہار آشنا کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان کا وجود گم کردہ راہ قافلۂ انسانیت میں اس حدی خوان کا سا ہے جو دلکش اور روح پرور لے میں گنگناتا ہوا قافلے کو منزل آشنا کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔

ڈاکٹر یاسین عاطر کا شمار بھی انہی با کردار اور خوش اطوار اہل فکر و قلم میں ہوتا ہے جن کی فکری و قلمی توانائیاں فکری بے راہروی اور عملی بانجھ پن کا علاج کرنے میں مصروف ہوتی ہیں۔ ”عشق ریاضت“ کے حوالے سے میں بغیر کسی شاعرانہ مبالغے کے کہہ سکتا ہوں کہ اس مجموعے میں شامل ہر غزل عصری غزل کے تمام تر تقاضوں پر پورا اترتی ہے۔ ڈاکٹر یاسین عاطر نہ صرف صالح فکر اور سلیم الفطرت لکھاری ہیں بلکہ دیارِ غیر میں رہتے ہوئے بھی ان میں اپنے وطن عزیز کے ہر فرد کے لئے اخلاص و درد کے جذبات ایک سمندر کی طرح متلاطم ہیں اور اس بات کا عملی ثبوت ان کی شاعری ہے جس میں ان کے مضامین کے موضوعات ایسے ہیں کہ ان کی شاعری ہر دور اور ہر عمر کے افراد کے لئے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مایوسیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں یہ امید کی وہ کرن ہے جو بھٹکے ہوئے قافلۂ حجاز کو سوئے منزل روانہ ہونے پر قدم بہ قدم روشنی دیتی رہے گی۔

ڈاکٹر یاسین عاطر نے جس بھی موضوع پر کہا اسے انتہائی اختصار و جامعیت کے ساتھ نبھایا ہے۔ جملوں کا دروبست، فقروں کی نشست و برخاست، تشبیہات و استعارات کے برمحل استعمال اور تحریر کی شائستگی و سادگی نے ان کی شاعری کو ایک منفرد پہچان بخشی ہے۔

''عشق ریاضت'' سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ایک مدت سے میں خوابوں کے حوالات میں تھا
آپ نے آ کے ضمانت دی، سلامت رہیے
میں کبھی آپ کا مزدور تھا، اب یاد نہیں
اتنی تاخیر سے اجرت دی، سلامت رہیے
یہ بچھڑنا ہمیں آسان بھی ہو سکتا تھا
اس عمل کو بھی طوالت دی، سلامت رہیے

دیوتا بن گیا ہے تیرا وجود
ہم نے وہ قربتیں تراشی ہیں

بہ چشم رشک ذرا دیکھ میرا رزق حلال
یہ کم ضرور ہے تاثیر میں زیادہ ہے

دل کے پنجرے سے پرندوں کو اڑا دو عاطر
آرزؤں کو مسلسل نہیں پالا کرتے

بڑا سستا لگا یہ وصل مجھ کو
تمہارا بیش قیمت ہجر کھو کر

قدر کیجئے عاطر ایک ایک دھڑکن کی
دل اگر ٹھہر جائے، پھر نہیں چلا کرتا

ابھی تک اس بدن کا لمس عاطر
مری پوروں پہ دستک دے رہا ہے

میں بہت شکر ادا کرتا ہوں
جب ترا عشق تھکا دیتا ہے

محبت کی کمک بھیجو اگر تم
میں اپنی ہر لڑائی جیت لوں گا

مرے بدن کا سفینہ نہ ڈوب جائے کہیں
گزر رہا ہوں ترے روپ کے سمندر سے

اس طرح دل میں چھپا رکھا ہے بس تیرا خیال
جیسے اک بیج میں پوشیدہ شجر رہتا ہے

روز ہوتی ہے رزق کی تقسیم
کیوں کریں فکر اپنے کل کے لئے

تناسب سے ہوا میں زہر کو گھولا گیا ہے
پھر اس میں سانس لینے کی اجازت دی گئی ہے

درد مہمان بن کے آتے ہیں
میرے حصے میں میزبانی ہے

عشق نے کب ہمیں نصیحت کی
ہجر نے ہم سے کب خطاب کیا

لہو جو زخم سے رستا ہے اس کو مت چھیڑو
کہ بارہا یہی مرہم کا کام کرتا ہے

اس لئے مسکرا رہا ہوں میں
تم کو تھا اعتراض رونے پر

پھر اک چراغ بجھا کر دکھا دیا مجھ کو
ہوا نے اپنا تعارف کرا دیا مجھ کو

میں امید کرتا ہوں کہ مصنف نے اصلاح فکر کے جس عزم بلجزم سے یہ فریضہ سرانجام دیا ہے، توقع سے بڑھ کر پذیرائی ملے گی۔ ''عشق ریاضت'' حقیقی معنوں میں فکر وعمل کے بند دریچوں کو کھولنے میں ممدو معاون ثابت ہوگی۔ اس امید کی بنیاد مصنف کے سوز، درد اور اخلاص کی گہرائی پر ہے۔

ساگر احمد

''عشق ریاضت'': چار دہائی کی مشقِ سخن

ڈاکٹر یاسین عاطر سے میری پہلی ملاقات اُن کے اوّلین شعری مجموعہ ''عشق وسیلہ'' کے حوالے سے محض اتفاق تھا کہ لاہور (پاکستان) کے ایک پانچ ستارہ ہوٹل میں اس شعری مجموعے کی تعارفی تقریب میں مجھے اظہارِ خیال کرنا تھا۔اُن کے اوّلین شعری مجموعے میں یہ بات میں نے خاص طور پر کہی تھی کہ ڈاکٹر یاسین عاطر چوں کہ طب اور سائنس کے آدمی ہیں، اس لیے ایک تو وہ اپنے اردگرد کے منظرنامے اور اشیا کو سائنس کے حوالے سے دیکھتے اور پرکھتے ہیں، دوسری بات یہ کہ انھوں نے زمین پر کھڑے انسان کی عام آنکھ سے، پانچ فٹ چھ انچ کی بلندی کے بجائے اپنے اردگرد کی دنیا کو پرندے کی آنکھ سے دیکھا ہے، اسی لیے وہ سائے کو شجر سے وابستہ نہیں کرتے بل کہ سائے کے تخلیق پانے کے عمل کا سارا کریڈٹ سورج کو دیتے ہیں۔ اردو غزل کی شعری روایت میں ایسا پہلی بار ہوا ہے۔ عام انسان کی آنکھ کی سطح سے بلند ہو کر دیکھنے کے سبب کئی منظرنامے بدل گئے ہیں جس نے اردو غزل کو نئے مضامین عطا کیے ہیں اور اس کا کریڈٹ ڈاکٹر یاسین عاطر کو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہی کہ ڈاکٹر یاسین عاطر کے شعری مجموعہ ''عشق وسیلہ'' کی ورق گردانی سے اندازہ ہوتا ہے وہ شعر کو عمومی سطح پر تخلیق کرنے کے بجائے، جس تجربے کو بیان کرنا چاہتے ہیں اس میں اپنی انفرادیت تلاش کرتے ہیں اور ایک تخلیقی جمالیات کے ساتھ، نئے زاویے سے اپنے قاری کے سامنے شعر رکھتے ہیں۔ اردو شعرا میں بہت کم تعداد ایسے شعرا کی

رہی ہے کہ جو کتاب اور مشاعرہ، دونوں صورتوں میں ایک ہی سطح پر اپنے تخلیقی اظہار کو منواتے ہیں، ڈاکٹر یاسین عاطر کا شمار بھی اسی قبیل کے شعرا میں ہوتا ہے۔

پچھلے کچھ عرصہ سے ہمارے ہاں شاعری فیشن کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی، کئی ایسے شعرا اور شاعرات میدان میں آن اترے ہیں جو بنیادی طور پر شعر کے اچھے قاری یا سامع بھی نہیں ہیں۔ انہیں اچھے شعر کی پہچان تک نہیں ہے مگر وہ خود کو شاعر کہلوانے پر بضد ہیں۔ پاکستان اور بیرون ممالک یہ وبا برابر کی سطح پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ وبا کرونا سے کم مہلک نہیں ہے۔ ایسے شوقین مزاج صاحبِ ثروت نے جینوئن شعرا کو دیوار سے لگا کر صدارت اور مہمانان خصوصی کی نشستوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ معاشی طور پر کمزور شعرا کے فن کے استحصال کے زیادہ مواقع پیدا ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری اپنے موضوع اور لفظیات میں ایک جیسی لگنے لگی ہے۔ اس سے پہلے شاعری اس وجہ سے الگ اور منفرد دکھائی دیتی تھی کہ ہر شاعر اپنا شعر کہنے کی کوشش کرتا تھا۔ کرونا وبا کی طرح پھیلے اس فیشن نے شعری تخلیق کا انفراد ختم کر دیا ہے۔ ادبی گروہ بندیوں نے ادبی دنیا کو بھی طوائف الملوکی کا شکار بنا دیا ہے۔ سوشل میڈیا اور مشاعروں میں اچھے شعر پر داد دینا اور داد لینا، ''اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے'' کی طرح ایک کاروباری صورت اختیار کر گیا ہے۔ تقریبات میں صدارت اور مہمانان خصوصی و مہمانان اعزاز کی نشستوں کی باقاعدہ بولیاں لگتی ہیں۔ اب ایسے حالات میں ڈاکٹر یاسین عاطر کی طرح کا کوئی جینوئن شاعر خود کو زندہ رکھے ہوئے ہے تو یہ کسی جہاد سے کم نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے حوصلے اور فن کے ساتھ ان کی وابستگی کو داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔

ڈاکٹر یاسین عاطر نے شعر و سخن کی جاری کوششوں میں اپنے سامنے کئی چیلنج کھڑے کر رکھے ہیں۔ وہ پرانے مہابیانیوں کو کچھ نئے تجربات کے ساتھ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ مہابیانیوں کو مسمار بھی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اُن کے اندر ایسا استحکام، یقین اور توانائی ہے کہ وہ پورے اعتماد کے ساتھ اِن مہابیانیوں کی بدلتی ہوئی اشکال کو اپنے شاعری

میں پیش کرتے ہیں۔اس کام کے لیے زبان و بیان پر گرفت اور اپنے تخلیقی وجدان پر زبردست اعتماد کی ضرورت پڑتی ہے۔ڈاکٹر یاسین عاطر اس میں ماشااللہ خود کفیل ہیں۔

ڈاکٹر یاسین عاطر میر تقی میرؔ کے بجائے اسداللہ خان غالبؔ کے مقلد نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ہمیں اندرونِ ذات سے بیرون ذات کی جانب سفر دکھائی دیتا ہے۔ان کی توجہ اپنی ذات اور محبت کے تجربے سے دور ہوتی ہوئی اپنے گردوپیش کی صورت حال اور منظرنامے پر فوکس ہوتی جارہی ہے۔اس کی بنیادی وجہ وجودیت کی تحریک سے انحراف ہے جس نے انسان کو اپنے اندر موجود جوہر سے شناسا کیا ہے اور ہر سوال کا جواب اسی تناظر میں تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔غزل کی شعری روایت میں یہ بھی ایک انحراف کی صورت ہے جو آج کے ترقی یافتہ معاشرے میں سوچ سمجھ اور شعور رکھنے والے انسان کی ترجیحات میں شامل ہے۔مثلاً اکیسویں صدی کے انسان کی بات کرتے ہوئے جب وہ یہ کہتے ہیں:

جگر کا درد، نہ دل کا ملال پوچھتا ہے
وہ شخص شہر کے موسم کا حال پوچھتا ہے

یہ شعر بیان کرتا ہے کہ شاعر اپنی ''عشق ریاضت'' میں اُس المیے کا شکار ہے کہ وہ تو دل کے ملال اور جگر کے درد میں مبتلا ہے مگر جس کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے وہ سرسری اور سطحی رشتوں کا قائل ہے، اسی لیے تو وہ موسم کے حال پر اکتفا کر رہا ہے۔اپنے بیرونی رشتوں کے ایسا سرسری اور سطحی ہونے کے کرب میں مبتلا شخص عشق کی ریاضت کے مرحلوں سے گزر کر منزل تک پہنچ پاتا ہے۔ڈاکٹر یاسین عاطر کے عہد کی معاشرت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ محبوب سے ملنے ملانے پر کوئی پابندی یا روک ٹوک نہیں مگر اس آزادی اور سہولت نے الگ قسم کے المیے کو جنم دیا ہے۔اردو غزل کی شعری روایت سے انحراف کی یہ ایک مثال ہے۔

ڈاکٹر یاسین عاطر کے ہاں کثیر منزلہ اور سڑکوں کے جال پر مشتمل شہر ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ جس سے ہر اس شخص کا واسطہ پڑتا ہے جو گھر سے باہر نکلتا ہے۔ان عمارتوں اور سڑکوں

سے شاعر براہ راست مخاطب ہوتا ہے اور پھر ان کی طرف سے خود ہی جواب بھی دیتا ہے۔ گویا شاعر کے فکری کینوس پر صرف محبوب کا سراپا ہی غالب نہیں رہتا بل کہ شہر کا منظر نامہ بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی شاعری میں ایک موضوع کے طور پر اپنی جگہ بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ گھر سے نکل کر گلی کے کونے پر آتا ہے تو سامنے پھیلا ہوا سڑکوں کا جال اس سے اس کی منزل کے بارے میں استفسار کرتا ہے، اس لیے کہ یہ سڑکیں ہی ہیں جو اسے کہیں بھی لے جائیں۔ ان سڑکوں پر محض آوارہ گردی کرنے کا پرانا بیانیہ شکستہ ہو گیا ہے۔ اب ان سڑکوں پر پاؤں رکھنے سے پہلے منزل کا پتہ ہونا لازم ہے:

نکل کے آیا جو گھر سے گلی کے کونے پر
کدھر کا قصد ہے؟ سڑکوں کا جال پوچھتا ہے

ڈاکٹر یاسین عاطر کا محبوب بھی اردو غزل کا روایتی محبوب نہیں ہے کہ جس کے بارے میں حسرت موہانی کہتے ہیں: ''پردے کے کونے کو دفعتاً کھینچ لینے سے وہ اپنا منھ دوپٹے میں چھپا لیتا تھا، یا اُن کے بے باک ہونے پر وہ اپنے دانتوں میں انگلی دبا لیتا تھا''۔ اپنی غزل میں ڈاکٹر یاسین عاطر نے آج کے محبوب کے حقیقت پسند تصور کو اپنی غزل کا موضوع بنایا ہے۔ اس کی وجہ ان کا امریکہ میں گذشتہ کئی دہائیوں کا قیام ہے۔ وہ پاکستان سے اپنا بچپن اور لڑکپن ساتھ لے کر امریکہ گئے تھے مگر یہ اخلاقی اقدار اب اُن کے اندر ہی سمٹ کر رہ گئی ہیں، نئے ماحول اور اجنبی معاشرت کہ جس کو وہ ''عہدِ عریاں'' کہتے ہیں، نے ان کے اردگرد بہت کچھ تبدیل کر دیا ہے۔ وقت اتنی تیزی سے بدلا ہے کہ محبوب دانتوں میں انگلیاں دبانے کے بجائے اپنے جمال کے بارے میں بے دھڑک استفسار کرتا ہے:

اثر ہوا ہے کچھ اس پر بھی عہدِ عریاں کا
لباسِ تنگ میں اپنا جمال پوچھتا ہے

ڈاکٹر یاسین عاطر اپنے ساتھ ایک صالح زندگی اور معتدل و متوازن معاشرے کے قیام کا خواب لیے پھرتے ہیں۔ وہ معاشرتی انتشار اور روحانی بے چینی کے اسباب و علل

کے حوالے سے مسلسل سوچتے رہتے ہیں۔ یہ ریاضت انہیں روحانی بحران میں گھیراؤ سے بچاتی ہے اور ایسے راستوں اور اخلاقی معیارات کا تعین کرتی ہے کہ جن کو اپنا کر ایک اچھا انسانی معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔ وہ حساس دل رکھنے والے ایک انسان ہیں، اُن میں جنت یا دوزخ کے سزا و جزا کے فلسفے کی وجہ سے خوفِ خدا نہیں بل کہ وہ اشرف المخلوقات کے بارے میں اس بات کے قائل ہیں کہ اسے انصاف پسند ہونا چاہیے؛ دوسروں کا حق نہیں مارنا چاہیے؛ سچ بولنا چاہیے۔ جہاں تک رزق و عنایات کا تعلق ہے، اس کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ اللہ تعالی رازق و مالک ہے اور وہ پتھر میں بھی کیڑے کو رزق عطا کرتا ہے، اس بات پر مسلمانوں کا یقینِ کامل ہے۔ اردو شاعری میں اس بیانیے کو مختلف انداز سے شعرا پیش کر کے اللہ تعالی کی رزّاقی کا اعتراف کرتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر یاسین عاطر کو اس بات پر حیرت ہوتی ہے اور وہ سوال اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ انجیر سے کیڑا کیوں نکلتا ہے؟ ایسا تو تب ہی ممکن ہے کہ جب معاشرے میں رزقِ حلال کمانے کی عادت نہ رہی ہو۔ اگر رزق حلال چھوڑ کر حرام رزق سے شکم پروری ہونے لگے تو اس سے اس طرح کے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ وہ گھر کو ایک ادارے کی طرح سمجھتے ہیں اور اسی نگاہ سے اس کی بہتری کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ وہ اپنی صلاحیت اور محنت کا کریڈٹ بھی زینوں کو دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں جو بظاہر انہیں بلندی تک لے جاتا ہے، ایسا تب ہی ہوتا ہے جب انسان اپنی ''میں'' کو کچل دیتا ہے:

بہتر ہے کہ شوہر ہی رہے ناظمِ اعلیٰ
دراصل گھرانہ بھی ادارے کی طرح ہے
اینٹوں کی طرح لوگ جڑے رہتے ہیں عاطر
اور ان میں محبت کسی گارے کی طرح ہے

مجھ کو پہنچا دیا بلندی پر
اب دعا دے رہا ہوں زینوں کو

جب کہ حشرات کو ملتی ہے غذا پتھر میں
پھر بھی حیرت ہے کہ انجیر میں کیڑا نکلا
کتنا مشکل تھا اسے اپنی تجوری کھولے
آج آفت نے جو گھیرا ہے تو صدقہ نکلا

ڈاکٹر یاسین عاطر کو اس بات کا شدید احساس ہے کہ وہ دیارِ غیر میں ہجرت کر کے صرف اس لیے آئے ہیں کہ وہ رزقِ حلال کما سکیں اور اس سے اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی ضرورتیں پوری کر سکیں۔ اپنی شاعری میں انھوں نے زندگی میں معیشت کے سلسلے میں جہاں محنت اور مشقت کے استحصال کی بات کی ہے، وہاں رزقِ حلال کمانے کا تذکرہ بھی بار بار ملتا ہے۔ اس کے پیچھے یقیناً ان کا وطن عزیز میں رزق کمانے کا تلخ تجربہ رہا ہوگا کہ جس کی وجہ سے انھیں ہجرت کرنا پڑی۔ یہ ہجرت اور دیارِ غیر میں رزقِ حلال کمانے کی خواہش بار بار اُن کی شاعری میں در آتی ہے۔ اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ایک نیک اور صالح معاشرہ قائم کرنے کا خواب آنکھوں میں سجائے انتظار میں ہیں اور اس کی جلد از جلد تعبیر کے خواہش مند ہیں:

وطن کو چھوڑ کے کیا کچھ کما لیا عاطرؔ
یہ تیسواں مری ہجرت کا سال پوچھتا ہے

بہ چشمِ رشک ذرا دیکھ میرا رزقِ حلال
یہ کم ضرور ہے، تاثیر میں زیادہ ہے

حلال لقمۂ آخر نہ ہو سکے جب تک
تھکا کے جسم کے حصوں کو چور کرنا ہے

یہی سبب کہ ہے پردیس میں خوشی مجھ کو
حرام رزق تو رہ کر یہاں کمایا نہیں

رزقِ حلال اور رزق کی تقسیم کے حوالے سے ڈاکٹر یاسین عاطر نے اپنے پہلے شعری مجموعہ میں بھی اپنا ایک خاص زاویہ نگاہ پیش کیا تھا۔ دوسرے شعری مجموعہ میں بھی بار بار رزقِ حلال پر اصرار کیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ انسان کے مقدر میں جو ہوگا، وہی اسے ملے گا۔ یہ جبر و قدر کا موضوع علامہ محمد اقبال کا بھی پسندیدہ موضوع رہا ہے اور اسلام میں بھی اس موضوع کو بار بار مختلف مثالیں دے کر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ ڈاکٹر یاسین عاطر جس صالح معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں، ان کے نزدیک لازم ہے کہ اس کی معیشت کی بنیاد رزقِ حلال اور رزق کی تقسیم مقدر سے جوڑ دی جائے؛ ان کے نزدیک یہی اخلاقیات معاشرے کو انتشار سے بچا سکتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ انسان کی تمام سماجی اور معاشی برائیوں کے پیچھے انہیں یہی بنیادی محرک دکھائی دیتا ہے۔ وہ کوئی ناصح یا اصلاح پسند تحریک کے داعی نہیں ہیں مگر سوچنے والے فرد کی طرح اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر معیشت میں یہ دو باتیں ملحوظِ خاطر رکھی جائیں تو اس سے بہت بہتری کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ وہ کسی صوفی یا ملا کی طرح اس کی تبلیغ کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے مگر معاشرے کے ایک باشعور فرد ہونے کے ناطے، تخلیقی سطح پر بار بار اس بات کا احساس دلاتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں:

بس میں ہوتا تو مقدر کی مرمت کرتا
پر کوئی کیل، ہتھوڑی، نہ کمانی میری

غربت تھی مگر میں نے کبھی بھیک نہ مانگی
کوئی بھی مرے نام وظیفہ نہیں آیا

روز ہوتی ہے رزق کی تقسیم
کیوں کریں فکر اپنے کل کے لیے

مانا کہ ترا حافظہ جاتا رہا لیکن
اک نام تو ازبر ہے، توکلت علی اللہ

اللہ غنی ہے وہ جسے چاہے نوازے
محنت سے ہر اک شخص کو پیسہ نہیں ملتا

امریکہ جیسے آزاد اور کثیر الاقوامی معاشرے میں رہنا پڑے تو بار بار وہاں کی تہذیب وثقافت کا اپنے ملک کے ساتھ موازنہ غیر شعوری طور پر ہونے لگتا ہے۔ جو لوگ اپنی دھرتی سے جڑے ہوتے ہیں، ان کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ کچھ لوگ تو اسے وہاں کی معاشرت سمجھ کر ایسے ہی قبول کر لینے میں عافیت سمجھتے ہیں مگر دو معاشروں کی تہذیبی وثقافتی اقدار کا قدم قدم پر موازنہ کرنے والے ڈاکٹر یاسین عاطر کے لیے اس کو نظر انداز کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔ اسی لیے وہ دیارِ غیر میں مقیم پاکستانی معاشرت کی صنفِ نازک کو اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ اگر خواتین اپنی زینت کو ڈھانپ کر نہیں رکھیں گی، اس کی نمائش کریں گی تو اس سے دیکھنے والی آنکھوں کی بھوک میں اضافہ ہوگا اور اس بات کا تذکرہ تو قرآنِ مجید میں بھی ہے:

رکھو خیال سے زینت کو ڈھانپ کر اپنی
بدن کھلا ہو تو آنکھوں کو بھوک لگتی ہے

ہر زاویے سے جھانک رہا ہے بدن کا نور
پوشاک تیرے جسم کی زینت نہیں رہی

ڈاکٹر یاسین عاطر کے نزدیک ایک صالح اور متوازن معاشرے کے قیام کی اگلی بنیادی شرط ''سچ بولنا'' ہے۔ اُن کے نزدیک معاشرے میں عدم توازن اور برائیوں کے پھیلاؤ کے پیچھے بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے سچ بولنا چھوڑ دیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہم میں اب سچ اور جھوٹ کی تمیز ہی باقی نہیں رہی۔ ایک جگہ کا سچ دوسری جگہ پر جھوٹ بن جاتا ہے۔ زمان ومکان کے ساتھ سچ کو مشروط کرنے کا سہرا دراصل مابعد جدید نظریات کا حاصل ہے۔ جدید معاشرے میں اس سوچ اور فکر کے پھیلاؤ نے بہت

سے مسائل کو جنم دیا ہے۔ ہر کوئی جب اپنی غلطی کو درست ثابت کرنے کے لیے دلائل دینے لگے اور اس بات پر اس کا یقین پختہ ہونے لگے کہ اس نے جو غلط کام کیا ہے، وہ ایسے حالات میں درست تھا اور اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا؛ ایسے حالات میں معاشرے میں بہتری کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ آج ہم اور ہمارا معاشرہ ایسے ہی خوف ناک حالات سے دوچار ہے۔ اس لیے وہ بار بار تقاضا کرتے ہیں کہ ہمیں سچ کا ساتھ دینا چاہیے۔ سچائی کو بیان کرنا چاہیے۔ اس کے لیے خواہ ہمیں کتنا بڑا نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے مگر معاشرے کی بھلائی اسی بات میں ہے:

ہے سیکھنا ہمیں سچائی کو بیاں کرنا
کہ گفتگو میں یہ پیدا شعور کرنا ہے

شعروں میں تو سچائی ہی لکھی ہے ابھی تک
حیرت ہے مری پشت پہ نیزہ نہیں آیا

یہ سچ کا زہر جو تقریر میں زیادہ ہے
تناؤ بھی میری زنجیر میں زیادہ ہے

بدنامِ زمانہ ہوں میں سچائی کی خاطر
اب تو مرے بچے کو بھی رشتہ نہیں ملتا

دلوں کے بغض کو مل کر ہی دور کرنا ہے
ہمیں کہاں کوئی صحرا عبور کرنا ہے

جس دوست کو عاطر ہمیں کھونا نہیں ہوتا
مانگے بھی تو قصداً اسے قرضہ نہیں دیتے

ڈاکٹر یاسین عاطر نے فرد اور معاشرے کے براہ راست تعلق کو دنیا کے نظام سے الگ کبھی نہیں دیکھا۔ ایک فرد کا جس طرح معاشرے کے ساتھ براہ راست تعلق بنتا ہے، ایسے ہی وہ اپنے ماحول، نیچر اور گرد و پیش سے جڑا ہوا ہے۔ جب بھی کوئی منفی یا مثبت تبدیلی گرد و پیش میں آتی ہے، اس کے اثرات فرد اور معاشرے پر براہ راست پڑتے ہیں۔ ان کی شاعری میں فرد اور معاشرہ کہیں بھی بڑے نظریات کے بہاؤ میں بہتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ اس کی وجہ ان کا حقیقت پسندانہ نظریہ حیات ہے اور انہیں یہ معلوم ہے کہ اب انیسویں یا بیسویں صدی جیسا انقلاب نہیں آنے والا۔ اس سوچ کے پیچھے دنیا کے سیاسی و سماجی حالات اُن کی نگاہ میں رہتے ہیں۔ اب عوام ایک ہجوم نہیں رہے، وہ جیتے جاگتے اور سوچتے افراد ہیں جنہیں خونی انقلاب سے تبدیلی لانے کی ضرورت نہیں۔ معاشرے میں مثبت تبدیلیاں لانے کے لیے اخلاقیات اور احترام آدمیت جیسے لوازمات مطلوب ہیں اور ان کا فروغ اور تشہیر بہت ضروری ہے۔ وہ اخلاقیات کو بھی عمرانی، سماجی، مذہبی، تاریخی اور سیاسی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ایک ریاست کے قیام اور اس کے فرائض کے بنیادی مقاصد سے بخوبی آگاہ ہیں اور جانتے ہیں کہ ریاست کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں، اسی لیے تو وہ تلخ ہو جاتے ہیں اور برملا کہہ اٹھتے ہیں:

شہرِ بے مہر میں ہم کس سے توقع رکھیں
دودھ جو ملتا ہے، بالائی نہیں دیتا ہے
ناظمِ صحت نے کچھ زہر ملایا ایسا
ٹھہرا پانی بھی تو اب کائی نہیں دیتا ہے

تمہارے شہر کو خطرہ ہے خشک سالی کا
یہ میرے گاؤں کا سوکھا کنواں بتاتا ہے
رواں برس جو منافع ہے کارخانے میں
وہ چمنیوں سے نکلتا دھواں بتاتا ہے

یہ سوچ کر ہی نوالے کو رکھ دیا میں نے
شکم بھرا ہو تو ہاتھوں کو بھوک لگتی ہے
نہ کچھ ملا تو بدن بیچنے چلی گئی ماں
یہ کہہ دیا مرے بچوں کو بھوک لگتی ہے

ڈاکٹر یاسین عاطر کی شاعری کے حوالے سے میں نے اب تک جو باتیں کی ہیں، اس کا بنیادی محور فرد اور معاشرے کا باہمی تعلق اور متوازن و معتدل معاشرتی زندگی کے لیے اخلاقیات اور مثبت سوچ کا پروان چڑھنا لازم ہے۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ دنیا بھر میں کووڈ19 انسانوں کو موت کی نیند سلا رہا ہو اور ڈاکٹر صاحب تخلیقی سطح پر اس موضوع کا انتخاب نہ کرتے۔ کووڈ19 کی تباہی کے سبب معاشرے میں اور انسانوں میں باہم رشتوں کی جس طرح ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے اور دنیا کی معیشت جس طرح اس سے متاثر ہوئی ہے، فکشن میں تو اس کو موضوع بنایا گیا ہے مگر شاعری میں اکا دکا اشعار ہی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ ڈاکٹر یاسین عاطر نے اپنی ایک بھرپور غزل میں ایسے تمام پہلوؤں کو اشعار کی شکل میں سمیٹا ہے کہ کوئی جہت تشنہ نہیں چھوڑی۔ ایس او پی (SOP) کو اپنا لینے سے جس طرح ایک معاشرے میں ساتھ ساتھ رہنے والے افراد میں دوریاں ہوئی ہیں اور جیسے رشتے متاثر ہوئے ہیں، انہیں تخلیقی سطح پر ڈاکٹر یاسین عاطر نے اپنی غزل میں پیش کیا ہے، لیجیے آپ بھی اشعار سنیے:

کہا گیا ہے کہ دو گز کے فاصلے سے ملیں
سو قربتوں میں وہ لذت نہیں رہی اس سال

کہا گیا ہے سفر پر رہے گی پابندی
سو اہل علم کی صحبت نہیں رہی اس سال

کہا گیا ہے بدن میں مدافعت رکھیں
سو اب لہو میں وہ طاقت نہیں رہی اس سال

کہا گیا ہے مرض سانس کو پکڑتا ہے
سو آہ بھرنے کی جرات نہیں رہی اس سال

کہا گیا ہے کہ احکام پر عمل ہو گا
سو ہم میں خوئے بغاوت نہیں رہی اس سال

کہا گیا کہ غزل زوم پر سنی جائے
سو پہلے جیسی سماعت نہیں رہی اس سال

سو ہم پہ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو گا
کہ تیرے لمس کی دولت نہیں رہی اس سال

دوسرے شعری مجموعے میں ڈاکٹر یاسین عاطر کا یہ تخلیقی سفر آگے بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔اردو شاعری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاعر نے جو نیا کہنا ہوتا ہے، 30 برس کی عمر تک کہہ لیتا ہے، اس کے بعد یا تو اپنے کہے کی جگالی کرتا ہے یا پھر شاعری چھوڑ جاتا ہے۔اس کے لیے کئی شعرا کی مثالیں بھی دی جاتی ہیں مگر ڈاکٹر یاسین عاطر نے تو یوں لگتا ہے کہ تخلیق کا سفر ہی 30 سال کی عمر کے بعد شروع کیا ہے، جو آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا ہے۔اُن کی تخلیقی صلاحیت اور بھی توانا اور نکھر کر سامنے آ رہی ہے۔ مجھے مولانا رومیؒ یاد آ رہے ہیں کہ جنھوں نے شاعری 47 برس کی عمر میں شروع کی اور پھر اپنے شعروں میں دانائی اور حکمت بھر دی کہ آج آٹھ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کے کلام میں بیان کی گئی سچائیاں ویسے ہی قابل قبول ہیں۔ڈاکٹر یاسین عاطر کی شاعری کے موضوعات بھی کسی سطح پر

ان سے جا ملتے ہیں کہ دونوں ہی معاشرے اور انسانوں کی بہتری کے خواہاں رہے ہیں:

ہمیں معاش نے مصروف کر دیا اتنا
دعائیں مانگتے کم ہیں، دعا خریدتے ہیں
نہ راس آئی ہمیں ایسی انجمن عاطرؔ
جہاں سے غیبتوں جیسی وبا خریدتے ہیں

اس درجہ پختہ ہو گئی عادت خرید کی
وہ مفت میں ملا تو کمایا نہیں اسے

ڈاکٹر غافر شہزاد

دُعا

کچھ اس طرح مرے اللہ تُو کرم کر دے
کہ اجر میرا بڑھا دے، گناہ کم کر دے

چلوں نہ میں کبھی گردن کو تان کر اپنی
کروں جو ایسا تو میری کمر میں خم کر دے

ہر اک لحاظ سے کم ہوں ضرورتیں میری
شدید بھوک میں چھوٹا مِرا شکم کر دے

اگر کبھی ہو تنفس کا عارضہ لاحق
تو رحمتوں کی ہوا آئے مجھ پہ دَم کر دے

بلاجواز ہی گریہ بپا کیا اب تک
کلامِ پاک کی نسبت سے آنکھ نم کر دے

کبھی نہ کوئی بھی مکروہ سوچ غالب ہو
تُو میری روح میں اچھائیوں کو ضم کر دے

نہ کوئی اور بشر ہو مری نگاہوں میں
رسولِ پاک ﷺ کو بس سب سے محترم کر دے

دُعا تو مانگ رہا ہوں، مگر مرے حق میں
جو فیصلہ ہو مناسب وہی رقم کر دے

نعت

نام سب سے جدا محمد ﷺ کا
یہ بھی اک معجزہ محمد ﷺ کا

اُن کی باتوں سے جی نہیں بھرتا
پھر کرو تذکرہ محمد ﷺ کا

جا کے پوچھو تو شہرِ طائف سے
صبر اور حوصلہ محمد ﷺ کا

اُن کی یادیں بہار کا موسم
جیسے گنبد ہرا محمد ﷺ کا

یہ بدن اُن کا، جان و دل اُن کے
مجھ میں جو کچھ بچا محمد ﷺ کا
اُس کی بخشش میں شک نہیں عاطر
وہ جو دل سے ہُوا محمد ﷺ کا

○

خدا کا شکر کہ ماں کی دعائیں لیتا تھا
میں ابتدا ہی سے طیّب غذائیں لیتا تھا

خدا کا شکر کہ جس شخص سے محبت کی
بدن پہ اپنے مکمل قبائیں لیتا تھا

خدا کا شکر مدینے کی بھی زیارت کی
میں جا کے شہرِ نبی ﷺ کی ہوائیں لیتا تھا

خدا کا شکر کہ لاحق رہی نہ بے خوابی
کبھی نہ نیند کی خاطر دوائیں لیتا تھا

خدا کا شکر کہ تھا شور ناگوار مجھے
میں احتیاط سے چُن کر صدائیں لیتا تھا

خدا کا شکر مسلسل درود پڑھ پڑھ کر
مرا یہ دل تھا کہ خود کی بلائیں لیتا تھا

O

جگر کا درد، نہ دل کا ملال پوچھتا ہے
وہ شخص شہر کے موسم کا حال پوچھتا ہے

اثر ہوا ہے کچھ اُس پر بھی عہدِ عریاں کا
لباسِ تنگ میں اپنا جمال پوچھتا ہے

نکل کے آیا جو گھر سے گلی کے کونے پر
کدھر کا قصد ہے، سڑکوں کا جال پوچھتا ہے

یہ مجھ میں عشق کہ بیٹھا ہے محتسب بن کر
تمام عمر کے ہجر و وصال پوچھتا ہے

سلام کرتے تھے سب لوگ میرے منصب کو
اب اِکّا دُکّا کوئی حال چال پوچھتا ہے

وطن کو چھوڑ کے کیا کچھ کما لیا عاطرؔ
یہ تیسواں مری ہجرت کا سال پوچھتا ہے

O

یوں تو دلکش ہے بہت سحر بیانی اُس کی
لوگ سنتے ہیں مگر مجھ سے کہانی اُس کی

مجھ کو لڑکی وہ فرشتہ سی نظر آتی تھی
سانولا رنگ تھا، پوشاک تھی دھانی اُس کی

کیسی حیرت ہے اگر میرا قلم ہے خاموش
کس میں ہمت ہے جو لکھے گا جوانی اُس کی

کیسے پیدا ہو بھلا اُس کے بدن کی خوشبو
نقل کرتی ہی رہی رات کی رانی اُس کی

فون جب اُس نے جنم دن کے حوالے سے کیا
کتنی پُرلطف لگی یاد دِہانی اُس کی

اس نے بخشا تھا عجب ایک خزانہ مجھ کو
جو بھی لکھا ہے ہر اک شعر نشانی اُس کی

ذہن کہنے کو مرا کند ہوا جاتا ہے
پھر بھی آ جاتی ہے لہجے میں روانی اُس کی

ایک بھونچال کی صورت تھا بچھڑنا اُس کا
مجھ سے دیکھی نہ گئی نقل مکانی اُس کی

عشق منڈی میں رہے دام اُترتے چڑھتے
اب جو ارزاں ہوں تو ہے مجھ پہ گرانی اُس کی

پوٹلی کھول کے ماضی کی نہ دیکھو عاطر
پھر نکل آئے نہ تصویر پرانی اُس کی

O

وہ لمس لمس میں پیدا زبان کر دے گا
خموش رہ کے بھی خود کو بیان کر دے گا

وہ اپنی ذات میں رکھتا ہے کیمیا ایسی
جو سنگ دل ہے اُسے مہربان کر دے گا

اسے کمال فنِ گفتگو میں ہے ایسا
ذرا سی دیر میں سچ کو گمان کر دے گا

مجھے خبر ہے چھپا لے گا سازشیں اپنی
ہٹا کے خود کو مجھے درمیان کر دے گا

عجب نہیں کہ مجھے سب سے منقطع کر کے
خود اپنی سمت ہی وہ میرا دھیان کر دے گا

اگر بڑھاتا رہا جسم میں تپش یونہی
جلا کے میرے لہو کو دُخان کر دے گا

وہ رفتہ رفتہ اگر دل پہ ہو گیا قابض
تو پھر نہ سوچنا خالی مکان کر دے گا

کبھی جو موج میں آیا تو دیکھنا اُس کو
مرے ہی ہاتھ میں اپنی کمان کر دے گا

بدن ہے اس کا کسی حسن کی لغت عاطرؔ
غلط پڑھا تو تلفظ بیان کر دے گا

O

دلوں کے بغض کو مل کر ہی دور کرنا ہے
ہمیں کہاں کوئی صحرا عبور کرنا ہے

ہے سیکھنا ہمیں سچائی کو بیاں کرنا
کہ گفتگو میں یہ پیدا شعور کرنا ہے

ہمیں دیے کو جلانا ہے گھپ اندھیرے میں
حصارِ شدتِ ظلمت میں نور کرنا ہے

محبتوں میں نزاکت بھی سیکھنا ہے ہمیں
کہ نذر پھول بھی اُس کے حضور کرنا ہے

حلال لقمۂ آخر نہ ہو سکے جب تک
تھکا کے جسم کے حصوں کو چوُر کرنا ہے

یہ کب کہا تھا کہ آسان وصل ہے اُس کا
کہ پھر سے گرم بدن کا تنور کرنا ہے

○

کتنی دلچسپ لگی سوختہ جانی میری
سب کو اپنی سی نظر آئی کہانی میری

شہر میں پھر سے ہوئے عشق کے چرچے میرے
پھر سے مشہور ہوئی نقل مکانی میری

بس میں ہوتا تو مقدر کی مرمت کرتا
پر کوئی کیل، ہتھوڑی، نہ کمانی میری

تم تو پل بھر میں مجھے شیفتہ کر لیتے ہو
تم پہ کیوں بار گزرتی ہے گرانی میری

جس کو پڑھنے سے گلا سوکھنے لگ جاتا ہے
وہ غزل سامنے لاؤ نہ پرانی میری

لوگ کب کھول کے دیکھیں مرے دل کو عاطر
وہ تو ڈھونڈیں مرے چہرے پہ جوانی میری

O

یہ سچ کا زہر جو تقریر میں زیادہ ہے
تناؤ بھی مری زنجیر میں زیادہ ہے

بہ چشمِ رشک ذرا دیکھ میرا رزقِ حلال
یہ کم ضرور ہے تاثیر میں زیادہ ہے

یہی سبب کہ بدن احتیاط سے برتا
جھلک جوانی کی تصویر میں زیادہ ہے

ترس رہے ہیں وہی لوگ خواب کو کہ جنہیں
دھیان خواب کی تعبیر میں زیادہ ہے

خلوصِ قلب تو بازار میں نہیں ملتا
جو تیرے عاشقِ دلگیر میں زیادہ ہے

خرید بیٹھا ہوں خوش رنگ بیریاں، لیکن
مٹھاس اجوا و انجیر میں زیادہ ہے

O

واپس یہ سمندر کبھی دریا نہیں دیتے
بس ریت اُگل دیتے ہیں، سبزہ نہیں دیتے

لازم تو نہیں نام سے منسوب ہو فطرت
ایسے بھی شجر ہیں کہ جو سایہ نہیں دیتے

جتنی بھی محبت ہے وہ آنکھوں سے بیاں کر
ڈبّے پہ ربن باندھ کے تحفہ نہیں دیتے

ہے شومئ تقدیر کہ ہر روز سڑک پر
ملتے ہیں وہی لوگ جو رستہ نہیں دیتے

پامال نہ کرنا کبھی عاشق کی انا کو
روتا بھی اگر ہو تو دلاسہ نہیں دیتے

جس دوست کو عاطر ہمیں کھونا نہیں ہوتا
مانگے بھی تو قصداً اسے قرضہ نہیں دیتے

وہ چاند جس کو ابھی اپنے گھر سے دیکھا تھا
لگا کچھ اور وہ جب رہ گزر سے دیکھا تھا

پھر اُس کی ذات پہ لکھنا پڑی غزل مجھ کو
لباسِ تنگ میں جس کو کمر سے دیکھا تھا

وہ نغمہ سنج تھا ایسا کہ اُس کو رک رک کر
پرندگانِ چمن نے شجر سے دیکھا تھا

ہر ایک سمت ہی کامل مِلا بدن اُس کا
بلا کا حسن تھا اُس کو جدھر سے دیکھا تھا

مبالغے میں اسے عشق کہہ دیا میں نے
حقیقتاً تو ہوس کی نظر سے دیکھا تھا

عجیب شخص تھا اُس کی مثال کیا دیجے
بس ایک خواب تھا گردِ سفر سے دیکھا تھا

ہزار لوگ ملے میرے مسکرانے پر
نہ مل سکا وہ جسے چشمِ تر سے دیکھا تھا

غروب کر دیا آخر زمیں کی گردش نے
وہ آفتاب جو میں نے سحر سے دیکھا تھا

O

جیسے تجھے تھا سوچنا، سوچا نہیں گیا
مجھ سے تو تیرا عشق بھی لکھا نہیں گیا

تجھ سے ہوں شرمسار، ترے حسن کو کبھی
شدت سے، انہماک سے، دیکھا نہیں گیا

تھی فکرِ روزگار ہی پیشِ نظر مجھے
پہلو میں تیرے وقت گزارا نہیں گیا

کچھ اس لیے بھی درد کی دولت نہیں ملی
محنت کے ساتھ زخم کمایا نہیں گیا

المختصر نصیب سے سب کچھ ملا مجھے
لیکن پھر احتیاط سے برتا نہیں گیا

عاطر پھر ایک بار حکومت تھی عشق کی
اور مجھ کو اقتدار میں رکھا نہیں گیا

O

نظر میں جب سے تمہارا قیام ہو گیا ہے
سو مجھ پہ دوسرا چہرہ حرام ہو گیا ہے

یہ عشق جب سے مرے دل میں گھس کے بیٹھ گیا
تمام عقل کا چوپٹ نظام ہوگیا ہے

ہر ایک سانس میں خوشبو تمہاری شامل ہے
تمہارے ہجر کا اب اختتام ہوگیا ہے

یہ رفتہ رفتہ کھلے گا کہ عشق چیز ہے کیا
ابھی تو سوچ رہے ہو زکام ہوگیا ہے

یہی سبب کہ سنائی نہیں غزل اُس کو
سمجھ رہا تھا کہ سستا کلام ہوگیا ہے

کبھی تو عشق تھا عاطر کا شعر تک محدود
اور اب زبانِ زدِ خاص و عام ہو گیا ہے

O

تنفس میں اترنا آ گیا ہے
ہوا کو بھی سنورنا آ گیا ہے

میں اب زخمی نہیں کرتا کسی کو
کہ خود پر سے گزرنا آ گیا ہے

مجھے بھی ہجر کی عادت ہوئی ہے
اسے بھی آہ بھرنا آ گیا ہے

نتیجہ ہے مری ماں کی دعا کا
کہ صحرا پار کرنا آ گیا ہے

مری پرواز سے ڈرتا تھا شاید
اسے اب پَر کترنا آ گیا ہے

اب اس کے قرب نے گھیرا ہے عاطر
کہ جب مجھ کو سدھرنا آ گیا ہے

O

حافظہ اس پہ نچھاور رکھا
ایک ہی شخص کو ازبر رکھا

دے دیئے سارے مہینے اُس کو
اپنے حصے میں دسمبر رکھا

منتخب لفظ کیے سینے سے
دل کی دھڑکن کو بھی باہر رکھا

عشق کو سطح سے گرنے نہ دیا
اِس کے معیار کو برتر رکھا

اپنا دیوان مکمل کر کے
گود میں اُس کی سجا کر رکھا

خواب ہونے لگے رنگیں جب سے
میں نے فٹ پاتھ پہ بستر رکھا

شکر، قابو میں رہی بھوک مِری
اس نے تو بھون کے تیتر رکھا

تشنگی پھر سے کمائی میں نے
چھوڑ آیا ہوں سمندر رکھا

مطمئن تھا نہ گداگر جب تک
اس کے کشکول میں ڈالر رکھا

غیب سے آگئی دولت مرے پاس
جب طبیعت کو تونگر رکھا

آ گئے یاد محمد ﷺ مجھ کو
جب کبھی پیٹ پہ پتھر رکھا

جذب ہوتا ہے پسینہ عاطر
جب سے اس جسم پہ کھدر رکھا

O

سنا ہے عشق کے ماروں کو بھوک لگتی ہے
کہ جیسے اڑتے پرندوں کو بھوک لگتی ہے

یہ سوچ کر ہی نوالے کو رکھ دیا میں نے
شکم بھرا ہو تو ہاتھوں کو بھوک لگتی ہے

یہ کس لیے مرے تیزابیت ہے سینے میں
یہ کس لیے مجھے راتوں کو بھوک لگتی ہے

رکھو خیال سے زینت کو ڈھانپ کر اپنی
بدن کھلا ہو تو آنکھوں کو بھوک لگتی ہے

رقم ہو جتنی کبھی جیب بھر نہیں پاتی
تجوریوں میں اثاثوں کو بھوک لگتی ہے

کسی جتن سے ترا دل نہ مطمئن ہوگا
اے مرے یار! رواجوں کو بھوک لگتی ہے

نہ کچھ ملا تو بدن بیچنے چلی گئی ماں
یہ کہہ دیا مرے بچوں کو بھوک لگتی ہے

تمہارے عشق میں ایذا پسند ہوں اتنا
نمک لگاؤں تو زخموں کو بھوک لگتی ہے

○

اس طرح دشت کا آزار نگل لیتے ہیں
اپنے تلووں میں ہر اک خار نگل لیتے ہیں

ناکہ بندی ہے بڑی سخت، مگر شہر کے لوگ
جب اندھیرا ہو تو بازار نگل لیتے ہیں

ان کا پانی بھی ہے تیزاب سے ملتا جلتا
یہ سمندر ہیں کہ اشجار نگل لیتے ہیں

مال و دولت سے صحافت نہ کرو آلودہ
اشتہارات تو اخبار نگل لیتے ہیں

ہم کو دشوار ہے اس ہوش کو قائم رکھنا
جس بھی لمحے ترا دیدار نگل لیتے ہیں

اتنی مشکل بھی نہیں ہجر کی منزل عاطرؔ
لوگ ایسے بھی ہیں تلوار نگل لیتے ہیں

O

جو شہرِ دل میں رعایت ہے، وقتی طور پہ ہے
جو تم سے اتنی محبت ہے، وقتی طور پہ ہے

ہمیشہ کب کہ تمہارے لیے غزل کہتا
سخن میں جتنی بشارت ہے، وقتی طور پہ ہے

کہیں وہ پہلی سی سنجیدگی نہ لوٹ آئے
جو مجھ میں آج شرارت ہے، وقتی طور پہ ہے

سب عارضی ہیں یہ لیل و نہار کے جلوے
زمیں میں آج جو حرکت ہے، وقتی طور پہ ہے

قریب بیٹھ، ضروری ہے گفتگو کرنا
کہ زندگی کی جو فرصت ہے، وقتی طور پہ ہے

مرض کی جانچ میں دشواریاں تو ہونی تھیں
بدن تھا اُس کا کہ پوشاک سے چھلک نکلا
حجاب میں جو بہت سادہ دل لگا مجھ کو
اسے قریب سے دیکھا تو بے جھجک نکلا

○

اب ملکیت میں ہجر کی دولت نہیں رہی
لگتا ہے تیرے عشق میں برکت نہیں رہی

کل تک تھا شرمسار ترا نام بھول کر
اب حافظے میں تیری شباہت نہیں رہی

مجھ میں بھی پہلے جیسا تحمل نہیں رہا
تجھ میں بھی انتظار کی عادت نہیں رہی

منہ کھولنے سے قبل مجھے سوچنا پڑا
بے باک گفتگو کی اجازت نہیں رہی

گر مجھ سے تیرا ناز اٹھایا نہیں گیا
تو نے سمجھ لیا کہ محبت نہیں رہی

ممکن نہیں کہ غور سے دیکھوں ترا جمال
اک پل تو یہ لگا کہ بصارت نہیں رہی

ہر زاویے سے جھانک رہا ہے بدن کا نور
پوشاک تیرے جسم کی زینت نہیں رہی

اب تک سکوں ملا نہ مجھے شہرِ حادثات
اب تو کسی نگاہ میں حیرت نہیں رہی

جو مسکرا کے دیکھ رہا ہے شکستہ حال
گردوں کو کیا زمین سے نسبت نہیں رہی

ایسا لگا سجود مرے رائیگاں گئے
شاید قیامِ لیل میں محنت نہیں رہی

اب کس سے ہو بھلا کوئی تعبیر سوچنا
جب خواب دیکھنے کی بھی ہمت نہیں رہی

عاطر جو میں نے چاک گریباں نہیں کیا
ایسا نہیں کہ جسم میں وحشت نہیں رہی

جتنا بھی بچا ہوں وہ بچا لو کہ چلا میں
بچے کی طرح مجھ کو سنبھالو کہ چلا میں

کوشش سے کبھی ہاتھ نہ آؤں گا تمہارے
مل جاؤں تو پھر دل میں بسا لو کہ چلا میں

تم لوگ تواتر سے یہاں کھیلتے رہنا
مجھ پر تو کوئی رنگ اچھالو کہ چلا میں

ڈھونڈو گے بہت پھر مرا پہلو نہ ملے گا
کچھ دیر مجھے پاس بٹھا لو کہ چلا میں

سن لو مرا قصہ، یہ مرا درد، یہ وحشت
موقع ہے ابھی مجھ کو کما لو کہ چلا میں

جی بھر کے کچوکے جو لگانا ہیں لگا لو
جتنا بھی ستانا ہے ستا لو کہ چلا میں

اک شام نکالو کبھی عاطر کے لیے بھی
یارو! کوئی محفل تو سجا لو کہ چلا میں

O

خطیبِ وقت عجب داستاں بتاتا ہے
جو سنگ دل ہے اسے مہرباں بتاتا ہے

تمہارے شہر کو خطرہ ہے خشک سالی کا
یہ میرے گاؤں کا سوکھا کنواں بتاتا ہے

رواں برس جو منافع ہے کارخانے میں
وہ چمنیوں سے نکلتا دھواں بتاتا ہے

یہ سوچ کر کہ کھرا مال بِک رہا ہے یہاں
تمام شہر ہی میری دکاں بتاتا ہے

تمہارے عشق کی برکت کہ جس سے ملتا ہوں
ادھیڑ عمر میں مجھ کو جواں بتاتا ہے

یہ آنکھ فجر میں از خود جو کھل گئی عاطر
کوئی تو کان میں وقتِ اذاں بتاتا ہے

O

دل ترے عشق سے جوڑا ہے تو کچھ بات بنی
خون پوروں سے نچوڑا ہے تو کچھ بات بنی

اک تری یاد نے تو مار ہی دینا تھا مجھے
وقت نے آ کے جھنجھوڑا ہے تو کچھ بات بنی

اب وضاحت سے نظر آتے ہیں چہرے سب کے
اپنے پندار کو توڑا ہے تو کچھ بات بنی

اب یہ حالت کہ لگا ہوں میں ہوا میں اڑنے
تیری دہلیز کو چھوڑا ہے تو کچھ بات بنی

عشق فرہاد کا عاطر نہ مکمل ہوتا
سر کو تیشے سے جو پھوڑا ہے تو کچھ بات بنی

بس اس طرح مرے دل کو سکون ملتا ہے
جو بیٹھ جاتا ہوں میں اُس کو دوبدو کر کے
جو دائیں ہاتھ سے چھوتا ہوں اس کے چہرے کو
جو دیکھتا ہوں اسے اشک سے وضو کر کے

○

ہر ایک سمت سے ہم پر حصار آگ کا ہے
دھواں نہیں ہے یہ گرد و غبار آگ کا ہے

ازل سے اس کا تعلق ہے آفتاب کے ساتھ
یہ روشنی کا نہیں کاروبار آگ کا ہے

جو جان بوجھ کے انکار کر رہے ہیں ابھی
حقیقتاً تو انہیں انتظار آگ کا ہے

یقیں کی آنکھ سے دیکھیں گے اُس کی شدت کو
ابھی تو صرف بدن میں بخار آگ کا ہے

جلی حروف میں لکھا ہے پر نہیں پڑھتے
سزا کے ضمن میں جتنا وقار آگ کا ہے

چلو گے تم جو رہِ مستقیم پر عاطر
اماں بھی دے گا جو پروردگار آگ کا ہے

O

دل اُس کا جو پتھر ہے توکلت علی اللہ
جو کچھ بھی میسر ہے، توکلت علی اللہ

اس بات کا کیا درد اگر جیب ہے خالی
یہ دل تو تونگر ہے، توکلت علی اللہ

اس درجہ کڑی دھوپ میں اک ابر کا ٹکڑا
سر پر یہی چادر ہے، توکلت علی اللہ

مڑ کر نہیں دیکھوں گا کوئی شکلِ ندامت
اک پشت میں خنجر ہے، توکلت علی اللہ

قسمت کا تقاضا ہے کہ تعبیر نہ دیکھوں
خوابوں کا بھی لنگر ہے، توکلت علی اللہ

اک روح تہجد میں ہوئی محوِ سماعت
سجدے میں مرا سر ہے، توکلت علی اللہ

مانا کہ ترا حافظہ جاتا رہا لیکن
اک نام تو ازبر ہے توکلت علی اللہ

عاطر تو یہاں عشق میں تنہا نہیں زخمی
ہوتا یہی اکثر ہے، توکلت علی اللہ

O

تکلیف میں رہے گا شجر دیر تک نہیں
اس سمت آندھیوں کا گزر دیر تک نہیں

لکھو وہ ایک حرف جو سینوں میں رہ سکے
ورنہ یہ کاغذوں پہ ہنر دیر تک نہیں

لوگوں کو وہ بتاؤ کہ جو حافظے میں ہے
کاندھوں کے درمیان یہ سر دیر تک نہیں

لکھا ہوا ہے صاف یہ ساحل کی ریت پر
ان پانیوں میں زیر و زبر دیر تک نہیں

عزت اسی میں تھی کہ محبت کے باوجود
ٹھہرا تھا اس کے پاس مگر دیر تک نہیں

عاطرؔ اب اُس میں دوسری خوبی تلاش کر
پتلی رہے گی اُس کی کمر دیر تک نہیں

O

حیف جو تجربہ دانائی نہیں دیتا ہے
عشق بے سود جو رسوائی نہیں دیتا ہے

شہرِ بے مہر میں ہم کس سے توقع رکھیں
دودھ جو ملتا ہے بالائی نہیں دیتا ہے

ناظمِ صحت نے ہے زہر ملایا اتنا
ٹھہرا پانی بھی تو اب کائی نہیں دیتا ہے

اس طرح رہتا ہے اک شخص مسلط مجھ پر
شعر کہنے کو بھی تنہائی نہیں دیتا ہے

نفسا نفسی کا وہ عالم ہے کہ اس شہر میں اب
بھائی کو بھائی پذیرائی نہیں دیتا ہے

فتح مندی تو ارادوں کی ہے مضبوطی پر
کھانا پینا ہی توانائی نہیں دیتا ہے

زخم خود بولنے لگتے ہیں میاں رِس رِس کر
عشق یوں قافیہ پیمائی نہیں دیتا ہے

O

ہجر کی مجھ کو کفالت دی سلامت رہیے
اس قدر آپ نے عزت دی سلامت رہیے

ایک مدت سے میں خوابوں کے حوالات میں تھا
آپ نے آ کے ضمانت دی سلامت رہیے

میں کبھی آپ کا مزدور تھا، اب یاد نہیں
اتنی تاخیر سے اُجرت دی سلامت رہیے

مختصر وقت مجھے ساتھ سفر میں رکھا
چند روزہ جو رفاقت دی سلامت رہیے

یہ بچھڑنا ہمیں آسان بھی ہو سکتا تھا
اس عمل کو بھی طوالت دی سلامت رہیے

آپ کے حسن سے **منسوب** رہی میری غزل
آپ کے عشق نے شہرت دی سلامت رہیے

O

وہ آدمی مجھے پریوں کی داستاں کا لگا
حسیں تھا اتنا کسی اور ہی جہاں کا لگا

وہ خدوخال تھے پورب کے یا کہ پچھّم کے
جب اس کو غور سے دیکھا کہاں کہاں کا لگا

ہزار وسوسے لاحق تھے جس کے ملنے پر
جب اس کے دل کو ٹٹولا تو مہرباں کا لگا

ملا جب اس سے تو تھا اتنی بدحواسی میں
غزل میں قافیہ مجھ سے یہاں وہاں کا لگا

فسردہ شام تھی سو اس کے گھر بسر کر دی
جب اس کا حسنِ عمل مجھ کو میزباں کا لگا

اگر ملی بھی کبھی دھوپ کی جھلک اس میں
تو پھر مزاج میں عاطرؔ وہ سائباں کا لگا

O

رشتوں کے برتنے کا ہنر دیر سے آیا
مجھ میں یہ زمانے کا اثر دیر سے آیا

سچائی کو کہنے کی سکت دیر سے آئی
بھرپور جوانی پہ جگر دیر سے آیا

دیتا ہو بیک وقت جو سایہ بھی، ثمر بھی
رستے میں مرے ایسا شجر دیر سے آیا

اب اس سے شکایت یہ ہمیشہ ہی رہے گی
وہ پاس تو آیا ہے مگر دیر سے آیا

اس شخص کی عادت تو ہے اظہار نہ کرنا
ناراض ہوا مجھ سے تو گھر دیر سے آیا

ڈھونڈا تھا ہر اک سمت افق پر اسے عاطر
وہ چاند یکم کا تھا نظر دیر سے آیا

O

واسطہ نہ دے گھر کا، اب مجھے بچھڑنے دے
ہو گیا ہوں پتھر کا، اب مجھے بچھڑنے دے

اشک پی لیے میں نے، پیاس بجھ گئی میری
کیا کروں سمندر کا، اب مجھے بچھڑنے دے

تھک چکے ہیں ہم دونوں، اپنے زخم گن گن کر
درد ہے برابر کا، اب مجھے بچھڑنے دے

جس طرح ہمارا ہے، عشق کے سفر میں تو
حال ہوگا اکثر کا، اب مجھے بچھڑنے دے

عذر یہ مناسب ہے، جو ملے یہ کہہ دینا
کھیل ہے مقدر کا، اب مجھے بچھڑنے دے

کیا خبر ترے در پر، پھر پلٹ کے آ جاؤں
کیا پتا قلندر کا، اب مجھے بچھڑنے دے

O

مجھ کو تری باتوں پہ تو غصہ نہیں آیا
خوش ہوں کہ مرے صبر میں رعشہ نہیں آیا

اتنی بھی پذیرائی شجر نے نہیں بخشی
ٹہنی سے کوئی ٹوٹ کے پتہ نہیں آیا

غربت تھی مگر میں نے کبھی بھیک نہ مانگی
کوئی بھی مرے نام وظیفہ نہیں آیا

زندہ ہوں جو اس سال تو پھر کیسی شکایت
گلدستہ نہیں ہے، کوئی تحفہ نہیں آیا

جب کہ مِری تحریر میں سچ بول رہا ہے
حیرت ہے مِری پشت پہ نیزہ نہیں آیا

عاطرؔ جو ارادہ ہے، سفر کا ہو تعین
خود آپ تو چل کر کبھی رستہ نہیں آیا

O

اس قدر درد بچا کر ترا رکھا میں نے
جسم کا ایک بھی خلیہ نہیں چھوڑا میں نے

آج پھر تجھ سے ملاقات کی تیاری کی
آنکھ سے آخری آنسو بھی نچوڑا میں نے

دل کہ بے ساختہ دیتا تھا دعائیں تجھ کو
ہجر میں جب بھی تری یاد کو برتا میں نے

اس لیے دیکھتے رہتے ہیں تجھے شہر کے لوگ
تجھ کو اشعار کے غازے سے سجایا میں نے

آج آیا ہوں ترے پاس اسی پر چل کر
کل جو دیکھا تھا تری آنکھ میں رستہ میں نے

اس سے پہلے کہ ترے عشق کا دعویٰ کر دوں
بیٹھ کر اپنی توانائی کو پرکھا میں نے

O

پاس میرے نہ زمینیں، نہ خزانہ نکلا
بکھرے اوراق پہ لفظوں کا اثاثہ نکلا

لوگ یوں عشق میں حیرت سے مجھے دیکھتے ہیں
جیسے بھونچال میں دَب کر کوئی زندہ نکلا

مدتوں میں نے کسی درد کی پرواہ نہ کی
بڑھ گیا زخم تو پھر جیب سے نسخہ نکلا

مڑ کے پانی نے کبھی دیکھا نہ سورج کی طرف
برف پگھلی تو بڑی شان سے دریا نکلا

جبکہ حشرات کو ملتی ہے غذا پتھر میں
پھر بھی حیرت ہے کہ انجیر میں کیڑا نکلا

کتنا مشکل تھا اسے اپنی تجوری کھولے
آج آفت نے جو گھیرا ہے تو صدقہ نکلا

شہر والوں نے کہے مجھ پہ قصیدے عاطر
میں ہوا دفن تو پھر مجھ پہ مجلّہ نکلا

O

تمہارے خواب کو لایا ہوں ڈھو کر
تھکن ہے، دیر سے اٹھا ہوں سو کر

مرے اعصاب لگتا ہے کہ سُن ہیں
ذرا دیکھو مجھے سوئی چبھو کر

اچھوتے حرف بن کر بولتی ہے
سیاہی کاغذوں میں جذب ہو کر

بڑا سستا لگا یہ وصل مجھ کو
تمہارا بیش قیمت ہجر کھو کر

لہو کی اس طرح قیمت بڑھا دی
لکھا پیغام انگلی کو ڈبو کر

کبھی جاتی نہیں خوشبو تمہاری
یہ کپڑے بارہا پہنے ہیں دھو کر

رکھوں گا رابطہ عاطرؔ زمیں سے
رکھوں گا ہاتھ مٹی میں بھگو کر

O

جو اس قابل نہ تھے ان کو محبت دی گئی ہے
خیانت کرنے والوں کو امانت دی گئی ہے

تناسب سے ہوا میں زہر کو گھولا گیا ہے
پھر اس میں سانس لینے کی اجازت دی گئی ہے

اگر ہوتا یہاں انصاف تو منظر بدلتا
یقیناً چند لوگوں کو رعایت دی گئی ہے

سواری میں بٹھا کر حکمراں کو چھوڑ آئے
محافظ کو فقط اتنی مسافت دی گئی ہے

اگر ہم بول دیں گے سچ تو ہنگامہ ہی ہوگا
لٰہذا چپ رہیں بس یہ ہدایت دی گئی ہے

ترا دیدار مل جائے، یہی اک آرزو ہے
بہت ہی مختصر ہم کو ضرورت دی گئی ہے

O

یہ بھی بہت کہ دل میں قرابت ہے آپ کی
ورنہ تو دشت دشت مسافت ہے آپ کی

اقرار ہے مجھے کہ بہت خودغرض ہوں میں
پھر بھی محبتیں ہیں، عنایت ہے آپ کی

کہتے جھجھک رہا ہوں، عجب دن ہے آج کا
مجھ کو بطورِ خاص ضرورت ہے آپ کی

آنکھوں کے ساتھ لمس ضروری ہے آپ کا
ورنہ تو مجھ میں صرف شباہت ہے آپ کی

ممکن نہیں رہا کہ کسی کا بھی ہو سکوں
لگتا ہے پور پور میں لذت ہے آپ کی

جاتے نہیں یہ قرب کے لمحات رائیگاں
جتنی بھی ہے یہ مجھ میں نفاست ہے آپ کی

جس کے بھی جی میں آئے مجھے چاہتا رہے
محفوظ ہوں مگر کہ حفاظت ہے آپ کی

سب لوگ کہہ رہے ہیں کہ میرے کلام میں
جو بھی جھلک رہی ہے وہ ندرت ہے آپ کی

O

محبتوں پہ جو ہے انحصار چلتا رہے
دعا کرو کہ یہی کاروبار چلتا رہے

یہ میرا تم پہ بھروسہ نہ ٹوٹ جائے کہیں
جو درمیان ہے قائم ادھار چلتا رہے

پکڑ نہ پائے کوئی چھوت کی وَبا ہم کو
جو چاہتوں کا ہے ہم میں بخار چلتا رہے

ہمیشہ مجھ کو نظر آؤ تم حسیں سب سے
بصارتوں کا مری یہ خمار چلتا رہے

میں جب تلک نہ سمٹ جاؤں ایک نقطے میں
یہ میرے گرد تمہارا حصار چلتا رہے

ہمیشہ آنکھ مچولی کا لطف ہو عاطر
کبھی یہ قرب، کبھی انتظار چلتا رہے

○

قریب تر ہوں اجازت نہیں رہی اس سال
گماں نہ کر کہ محبت نہیں رہی اس سال

وَبا کے خوف سے جذبات سرد ہیں شاید
گلے لگانے کی ہمت نہیں رہی اس سال

تعلقات میں جو تازگی جواں رکھے
دلوں کے بیچ وہ وحشت نہیں رہی اس سال

کہا گیا ہے کہ دو گز کے فاصلے سے ملیں
سو قربتوں میں وہ لذت نہیں رہی اس سال

کہا گیا ہے سفر پر رہے گی پابندی
سو اہلِ علم کی صحبت نہیں رہی اس سال

کہا گیا ہے بدن میں مدافعت رکھیں
سو اب لہو میں وہ طاقت نہیں رہی اس سال

کہا گیا ہے مرض سانس کو پکڑتا ہے
سو آہ بھرنے کی جرأت نہیں رہی اس سال

کہا گیا ہے کہ احکام پر عمل ہوگا
سو ہم میں خوئے بغاوت نہیں رہی اس سال

کہا گیا کہ غزل زوم پر سنی جائے
سو پہلے جیسی سماعت نہیں رہی اس سال

سو ہم پہ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا
کہ تیرے لمس کی دولت نہیں رہی اس سال

O

دل ہے مسکن تو مکیں آنکھیں ہیں
بس محبت کا یقیں آنکھیں ہیں

ہم نہ دیکھیں گے جنوب اور شمال
تم ہو جس سمت وہیں آنکھیں ہیں

تم سے خوش رنگ کوئی ہونٹ نہیں
تم سے اچھی نہ کہیں آنکھیں ہیں

اس کو اندیشۂ نقصاں کب ہے
جس محبت کی امیں آنکھیں ہیں

اپنا شیوا تو نہیں یہ عاطر
دل کہیں ہے تو کہیں آنکھیں ہیں

میں تو شاعر ہوں ترے حسن پہ کہتا ہوں غزل
تو سمندر ہے تو کب تجھ سے تلاطم مانگوں
میں نے کب مانگا محبت کا خزانہ تجھ سے
میں تو بخشش میں ترا ایک تبسم مانگوں

○

آپ کے دم سے سخن میں مری پہچان جدا
یعنی لہجہ ہے الگ، حرف کی گردان جدا

آپ دیکھیں تو چمکتی ہے بدن میں بجلی
لمحہ بھر کو مجھے لگتے ہیں دل و جان جدا

یوں تو اکثر ہے یہاں ماہِ منور کا گزر
آپ آتے ہیں تو لگتا ہے یہ دالان جدا

کیسے ممکن ہے کہ ہو حکم عدولی مجھ سے
شہر کے لوگ الگ، آپ کا فرمان جدا

آئے دن آپ تو گھر اپنا بدل لیتے ہیں
اور بٹھا دیتے ہیں در پر کوئی دربان جدا

کیسے ممکن ہے کہ ہر شخص ہو واقف مجھ سے
میرا مضمون الگ، میرا دبستان جدا

خود کو یوں ڈھونڈتا رہتا ہوں بہت مڑ مڑ کر
جس طرح بھیڑ میں ہو جاتا ہے انسان جدا

آپ اس کو مری وحشت کا کرشمہ سمجھیں
ورنہ کوشش سے کہاں ہو گا گریبان جدا

عشق میں قرب ضروری تو نہیں ہے عاطرؔ
اس مسافت میں تو ہو جاتا ہے سامان جدا

O

تم سے بچھڑا ہوں تو آ جاتے ہیں ایرے غیرے
میرا دکھ درد بڑھا جاتے ہیں ایرے غیرے

میرا بستر بھی بنانے پہ مقرر ہے کوئی
میرا کمرا بھی سجا جاتے ہیں ایرے غیرے

مجھ سے مل کر ہی چلاتے ہیں دکانیں اپنی
حرفِ دانش جو کما جاتے ہیں ایرے غیرے

مجھ کو رہنے نہیں دیتے کبھی رنگین مزاج
اپنی باتوں سے ڈرا جاتے ہیں ایرے غیرے

گو چھپاتے ہیں بہت، پھر بھی حماقت کر کے
اصل چہرے بھی دِکھا جاتے ہیں ارے غیرے

مضمحل یوں تو نہیں تیری سماعت عاطر
غیبتیں کر کے تھکا جاتے ہیں ارے غیرے

O

تمہیں نہ پھر سے ستائیں گے ہم، خدا حافظ
کہ اب نہ لوٹ کے آئیں گے ہم، خدا حافظ

رکھیں گے تم کو بہت دور اپنی نظروں سے
مگر نہ دل سے بھلائیں گے ہم، خدا حافظ

ہماری ذات سے تکلیف ہو رہی ہے تمہیں
اک اور شہر بسائیں گے ہم، خدا حافظ

بچھڑتے وقت اُداسی ہے آخری حد پر
مگر نہ اشک بہائیں گے ہم، خدا حافظ

اگر ملیں گی نہ خوشیاں تمہاری نسبت سے
غموں کا جشن منائیں گے ہم، خدا حافظ

نکال دو یہ پرستش کی آرزو دل سے
تمہیں خدا نہ بنائیں گے ہم، خدا حافظ

O

یہی ملال اسے دل میں کیوں بسایا نہیں
گلے لگایا، کلیجے سے کیوں لگایا نہیں

یہی سبب کہ ہے پردیس میں خوشی مجھ کو
حرام رزق تو رہ کر یہاں کمایا نہیں

وصالِ یار کی تیاریاں ادھوری ہیں
کہ سرخ رنگ کا قالین تو بچھایا نہیں

وہ اپنے سینے پہ تمغہ لگائے پھرتا ہے
مقابلے میں جسے جان کر ہرایا نہیں

یہ شکر کر ترے ٹخنے میں چوٹ آئی ہے
کہ حادثے نے تجھے سر کے بل گرایا نہیں

تجھے جو عشق پہ اپنے غرور تھا عاطر
سو یہ ہوا کہ پلٹ کر وہ شخص آیا نہیں

○

وہ آدمی کہ قناعت نہ جس کے پاس ملے
پلا دو شہد بھی اس کو تو کب مٹھاس ملے

مری نظر میں تو وہ بھی زمین ہے بنجر
جہاں درخت تو اُگتے ہوں پر نہ گھاس ملے

تمہیں سمجھ میں نہ آئے گا عشق کا مضمون
تمہارے ہاتھ میں پڑھنے کو اقتباس ملے

میں سوچتا ہوں کہ کتنا ہے بدنصیب وہ شخص
تمہارے قرب میں رہ کر بھی جو اُداس ملے

ہے دھان پان، کریم النفس مری بیٹی
دعا یہی ہے کہ ماں جیسی اُس کو ساس ملے

O

بچھڑے ہیں مگر عشق سے رشتہ نہیں ٹوٹا
کتنے ہی گرے سنگ یہ شیشہ نہیں ٹوٹا

کچھ دیر میں آ جائے گی پانی میں روانی
اک بند بنا لینے سے دریا نہیں ٹوٹا

ہر ایک دھماکہ تو سماعت میں نہیں ہے
پھر کیسی یہ تکرار کہ تارا نہیں ٹوٹا

آساں تو نہیں مانگنا مظلوم کی لئے میں
کر شکر کہ اب تک ترا کاسہ نہیں ٹوٹا

ہر تازہ رفاقت پہ یہی لگتا ہے عاطرؔ
دل ٹوٹ کے بھی اتنا زیادہ نہیں ٹوٹا

O

کوئی تو عشق کا انعام رکھو
مرے حصے میں اپنی شام رکھو

یہ چادر اُڑ نہ جائے اس ہوا میں
ذرا گیس کے بدن پر تھام رکھو

تمہارے ہونٹ ہیں جب پنکھڑی سے
تو اُن پر کیوں کوئی دشنام رکھو

اگر چاہو کہ گھر گھر ہو رسائی
تو پھر اپنے ذرا کم دام رکھو

خفا رہتے ہیں اکثر لوگ تم سے
کبھی خود پر بھی کچھ الزام رکھو

تمہیں مل جائے گی شہرت تمہاری
ابھی خود کو ذرا گمنام رکھو

یہ اپنی ذات میں سب سے جدا ہے
نیا وحشت کا اپنی نام رکھو

کبھی تو جاؤ عاطر پھول لے کر
اور اُس دہلیز پر پیغام رکھو

○

اُس کی قربت ہو ایک پل کے لیے
بس یہ حاجت مری غزل کے لیے

روز ہوتی ہے رزق کی تقسیم
کیوں کریں فکر اپنے کل کے لیے

تم نے دریا خرید رکھا ہے
اپنے آنگن میں ایک نل کے لیے

اس زمیں پر تو شہر بس جاتا
تم نے رکھی جو اصطبل کے لیے

اک ٹھکانہ ہے اپنی وحشت کا
ایک صحرا ہے اس جمل کے لیے

اُس کے پہلو میں بیٹھنا ہے اگر
لاؤ خوشبو کوئی بغل کے لیے

دوبدو گفتگو ضروری ہے
اتنی پیچیدگی کے حل کے لیے

کس قدر سہل عشق کی باتیں
پر جگر چاہیے عمل کے لیے

چارپائی پہ لوگ بیٹھے ہیں
ہے دعا رسیوں کے بل کے لیے

اک چھری سیب کے لیے عاطر
ایک پتھر ہے ناریل کے لیے

○

تو مرے پاس چلا آئے تو اچھا ہوگا
تخلیہ ہجر سے مل جائے تو اچھا ہوگا

یوں تو یکتا ہے ہر اک جسم کشش میں اپنی
ایک ہی شخص مگر بھائے تو اچھا ہوگا

چاہتا ہوں کہ ترا حسن لبھائے مجھ کو
پھر سے اک بار تو شرمائے تو اچھا ہوگا

اک ترے ساتھ ہی جائز ہے محبت میری
قرب تیرا مجھے نہلائے تو اچھا ہوگا

پھیل جائے یہ محبت ہی زمانے بھر میں
ایک پرچم یہی لہرائے تو اچھا ہوگا

یوں تو آ جاتی ہے ہر بات سمجھ میں عاطرؔ
پھر بھی اپنا کوئی سمجھائے تو اچھا ہوگا

○

عجیب گردشِ دوراں ہے اور عید کی رات
لہو میں درد سا رقصاں ہے اور عید کی رات

مجھے بتا کہ ترے شہرِ دل کا حال ہے کیا؟
یہاں تو موسمِ ہجراں ہے اور عید کی رات

نظر میں تیری شباہت کے کچھ مناظر ہیں
یہی بچا ہوا ساماں ہے اور عید کی رات

یہ لوگ غور سے پڑھتے ہیں میرے چہرے کو
کہ زخمِ عشق نمایاں ہے اور عید کی رات

کہاں نصیب کہ یکسوئی سے غزل کہتا
ہر ایک حرف پریشاں ہے اور عید کی رات

بچھڑ کے اُس سے اُداسی ہے کس لیے عاطرؔ
یہاں تو حسن بھی ارزاں ہے اور عید کی رات

○

قریب آیا مگر کِبر کے غبار کے ساتھ
جو جیت لیتا مجھے مِل کے انکسار کے ساتھ

غرورِ حسن میں اپنے بھلا دیا اُس نے
خزاں تو پہلو میں رہتی ہے ہر بہار کے ساتھ

یہی بھلا ہے بچھڑ جائیں ہم شرافت سے
کہ دشمنی نہیں رکھتے ہیں رازدار کے ساتھ

رگوں میں رہنے نہ دی وقت نے لچک اتنی
کہ دل بھی سخت ہوا خون کے فشار کے ساتھ

مرے وجود سے چنگاریاں نکلتی ہیں
ہوائے ہجر نہ چل اتنی تیز دھار کے ساتھ

میں والدین کی خدمت نہ کر سکا اتنی
لپٹ کے زور سے روتا ہوں اب مزار کے ساتھ

بدن میں اپنے حرارت بچا کے رکھ عاطرؔ
کہ تجھ کو عشق بھی کرنا ہے روزگار کے ساتھ

○

پہلے نظروں کے ترازو میں ہے تولی جاتی
دل کی ہر بات زباں سے نہیں بولی جاتی

اپنا ہر حرف تجھے لکھتے ہوئے سوچتا ہوں
کاش یہ نوکِ قلم خوں میں بھگو لی جاتی

بس یہ سینے پہ لگے داغ نہیں مٹ پاتے
کوئی پوشاک اگر ہوتی تو دھو لی جاتی

گفتگو جو کئی ابواب میں پھیلی ہوئی ہے
مختصر ہوتی جو شعروں میں پرو لی جاتی

بارشوں سے تو بچا لیتی ہے اکثر عاطرؔ
سر پہ آندھی ہو تو چھتری نہیں کھولی جاتی

O

یہ لوگ ظلمتِ شب کی غذا خریدتے ہیں
چراغ دل کے لیے کب ہوا خریدتے ہیں

ترس تو آتا ہے اپنے ضعیف ایماں پر
بخار ہونے سے پہلے دوا خریدتے ہیں

ہمیں معاش نے مصروف کر دیا اتنا
دعائیں مانگتے کم ہیں دعا خریدتے ہیں

بس اس لیے کہ زمانے کے ساتھ چلنا ہے
ہم اپنے جسم سے چھوٹی قبا خریدتے ہیں

نہ راس آئی ہمیں ایسی انجمن عاطر
جہاں سے غیبتوں جیسی وبا خریدتے ہیں

ملنے کی نہ کر خواہش، ہنگامہ بپا ہوگا
رہنے دے مری پرسش، ہنگامہ بپا ہوگا

تو اپنی محبت کو آنکھوں سے بیاں کر دے
ہونٹوں پہ نہ لا جنبش، ہنگامہ بپا ہوگا

جذبات کے شعلے کب رُکتے ہیں دھواں دے کر
جنگل کی نہیں آتش، ہنگامہ بپا ہوگا

مصروف ہے مدت سے تو مجھ کو سمجھنے میں
اب ختم یہ کر کاوش، ہنگامہ بپا ہوگا

کس کس کو بتائیں گے اس چھت کے ٹپکنے کا
ہوتی جو رہی بارش، ہنگامہ بپا ہوگا

آفاق کے سیارے حرکت سے منظّم ہیں
تھم جائے اگر گردش، ہنگامہ بپا ہوگا

O

سفر میں اپنی محبت کو بانٹتے رہنا
مجھے تھکے ہوئے چہرے سے دیکھتے رہنا

تمہارے شہر کی گلیوں میں کھو بھی سکتا ہوں
میں مل نہ پاؤں اگر، مجھ کو ڈھونڈتے رہنا

جہاں تھی گرم بہت گفتگو سیاست کی
مجھے لگا تھا بھلا تم کو سوچتے رہنا

تمہاری اتنی محبت ہی مجھ کو کافی ہے
مرے لیے مرے لہجے میں بولتے رہنا

نہ جانے کس کی سماعت پہ کیا اثر ہو جائے
ہوا میں اپنی صداؤں کو گھولتے رہنا

کھلی ہے آنکھ مسلسل کواڑ کی جانب
مجھے کسی نے کہا تھا کہ جاگتے رہنا

O

مسکراہٹ میں چھپی اُس کی اُداسی نکلی
بس یہ قالین ہٹایا تھا کہ مٹی نکلی

یوں بظاہر تو وہ خوددار بنا پھرتا ہے
اُس کی اِی میل، جو کھولی ہے تو عرضی نکلی

درد اس بار جو لاحق ہے نیا لگتا تھا
جب ٹٹولا تو وہی چوٹ پرانی نکلی

پھر تو کچھ بھی نہ رہا اس سے تعلق میرا
بات جو اُس نے کہی نیم سے کڑوی نکلی

ہو گئے اب کے غمِ عشق میں کپڑے ڈھیلے
یہ تو اچھا ہے مرے جسم سے چربی نکلی

چند لمحے تو مسرت میں گزارو عاطرؔ
آج برسوں میں ترے دل سے اُداسی نکلی

O

آنکھوں کو میسر ہے، نظارے کی طرح ہے
وہ شخص چمکتے ہوئے تارے کی طرح ہے

پھٹ جائے گا لمبی سی کوئی آہ نہ لینا
انسان کا سینہ بھی غبارے کی طرح ہے

یہ عشق برے وقت میں دھوکہ نہیں دے گا
سمجھو کہ یہ مضبوط سہارے کی طرح ہے

بہتر ہے کہ شوہر ہی رہے ناظمِ اعلیٰ
دراصل گھرانہ بھی ادارے کی طرح ہے

جینا ہے وہی جس میں رہے ذکرِ الٰہی
ورنہ رہِ ہستی تو خسارے کی طرح ہے

اینٹوں کی طرح لوگ جڑے رہتے ہیں عاطرؔ
اور اُن میں محبت کسی گارے کی طرح ہے

O

یقین کر کہ مجھے حاجتِ دلیل نہیں
میں اپنے عشق کو لایا ہوں، اک وکیل نہیں

چمک جو آنکھ میں آئی ہے اُس کا لطف نہ لے
یہ میرے ضبط کا آنسو ہے کوئی جھیل نہیں

میں درد میں ہوں مگر زخم کو تلاش نہ کر
یہ بند چوٹ ہے، میرے بدن پہ نیل نہیں

مرے رفیق، میں مدت سے جانتا ہوں تجھے
گلے لگائے گا مجھ کو کہ تو بخیل نہیں

جو سچ کہوں تو مرے اور بھی وسیلے ہیں
اکیلا تو ہی مرے عشق کا کفیل نہیں

○

ماتم زدہ تھا پھر بھی رُلایا نہیں اُسے
اپنے جگر کا زخم دکھایا نہیں اُسے

دن بھر کے کام کاج سے وہ تھک کے سوگئی
میں نے بھی آدھی رات جگایا نہیں اُسے

اس درجہ پختہ ہوگئی عادت خرید کی
وہ مفت میں ملا تو کمایا نہیں اُسے

پہلے تو ایک عمر کیا اُس کا انتظار
پھر یہ ہوا کہ پاس بلایا نہیں اُسے

لے کر غرورِ حسن وہ بیٹھا رہا قریب
میں نے بھی اپنا شعر سنایا نہیں اُسے

O

یہ لوگ میرا، نہ اُس کا قصور جانتے ہیں
مجھے فرشتہ صفت، اُس کو حور جانتے ہیں

یہی ملال کہ واقف نہیں ہے ہم سایہ
وگرنہ لوگ مجھے دُور دُور جانتے ہیں

چرا کے لے گئے مضمون پر مرے احباب
غزل یہ کس کی ہے اتنا ضرور جانتے ہیں

ہمیں بتاؤ نہ لذت شراب نوشی کی
اگرچہ رند نہیں ہیں سرور جانتے ہیں

انہی کو فکر ہے غارِ حرا مٹانے کی
جنہیں خبر ہے کہ ہم جبلِ نور جانتے ہیں

رموزِ عشوہ گری میں وہ طاق ہے عاطر
اور ہم بھی عشق کے جملہ امور جانتے ہیں

○

مطمئن ہو کے کسی شب نہیں سونے پاتا
پر ترا عشق مکمل نہیں ہونے پاتا

تجھ کو دیکھوں تو جھپکنے نہیں دیتا پلکیں
پردۂ چشم شباہت نہیں کھونے پاتا

کاش کرتا میں بدن کی ترے تصویر کشی
تیری آواز کو لفظوں میں پرونے پاتا

کاش روتا کبھی شانے پہ ترے سر رکھ کر
اور ترے جسم کو اشکوں میں بھگونے پاتا

مجھ کو لگتی ہے بہت اپنی بصارت محدود
جب ترا حسن نہیں مجھ میں سمونے پاتا

لوگ مل کر مجھے لے جاتے ہیں خوشبو تیری
میں بدن سے تری قربت نہیں دھونے پاتا

قہقہے اور بھی کر دیتے ہیں سنجیدہ مجھے
رونا چاہوں بھی تو اکثر نہیں رونے پاتا

○

گلی گلی جو ندامت اٹھانا پڑ رہی ہے
تمہارے عشق کی قیمت چکانا پڑ رہی ہے

میں آنکھ بھر کے جسے بار بار دیکھتا تھا
ملا جو آج تو عزت بچانا پڑ رہی ہے

بہت ہی سہل تھا، کہہ کر اُسے مُکر جاتا
بس اعتبار کی دیوار ڈھانا پڑ رہی ہے

جسے برتنے کی مہلت نہیں ملے گی مجھے
بلا جواز وہ دولت کمانا پڑ رہی ہے

تماش بین ہے خیرات دینے والا بھی
یہی سبب ہے کہ محفل سجانا پڑ رہی ہے

شعور ہوتا تو اللہ سے طلب کرتا
جسے مزار پہ چادر چڑھانا پڑ رہی ہے

O

جو لوگ خوف میں لپٹی خبر بناتے تھے
وہ اہلِ شہر کو گویا نڈر بناتے تھے

تمہیں تو ناز ہے لکڑی کی اس حویلی پر
سنا ہے عاد پہاڑوں میں گھر بناتے تھے

پتا چلا کہ وہی لوگ لٹ گئے اکثر
جو احتیاط سے ہر ہم سفر بناتے تھے

اُنہی کو سائے کی لذت نہ مل سکی اکثر
جو کارخانے میں نقلی شجر بناتے تھے

نہ اُن کا دیر تلک چل سکا شفا خانہ
جو گفتگو سے دوا میں اثر بناتے تھے

نہ مل سکا کسی منزل پہ پھر نشاں اُن کا
جو قتل کرتے تھے اور رہ گزر بناتے تھے

یہ راز ہم پہ بہت دیر میں کھلا عاطرؔ
گماں یہ تھا کہ سمندر گہر بناتے تھے

O

چشم نمناک بنائی گئی ہے
پھر بھی بے باک بنائی گئی ہے

جسم کے عیب چھپائے گئے ہیں
ایسی پوشاک بنائی گئی ہے

تا کہ ہر وقت رہے حمد و ثنا
یہ زباں پاک بنائی گئی ہے

جا بھی سکتی ہے غلاظت منہ سے
ایسی مسواک بنائی گئی ہے

یہ تو اچھا ہے کہ بے تاب زمیں
زیرِ افلاک بنائی گئی ہے

جس سے تخلیقِ بشر ممکن ہو
پہلے وہ خاک بنائی گئی ہے

ہو جو انساں کی ہوس سے باہر
اتنی املاک بنائی گئی ہے

اُس میں اتنی سی کمی ہے عاطر
دل کی سفاک بنائی گئی ہے

O

میں اس طرح تری اونچی صدا سے کانپ گیا
کہ جیسے شاخ پہ پتہ ہوا سے کانپ گیا

تجھے ملا تو ہوئیں تیز دھڑکنیں دل کی
یہ دل عجیب تھا دل کی دوا سے کانپ گیا

لہو تھا ایک، مفادات تھے جدا سب کے
کھلا یہ بھید تو گھر کی فضا سے کانپ گیا

جگر کے درد سے کب مستقل نجات ملی
دوا کے زور پہ وقتی شفا سے کانپ گیا

وہ دل جو سنگ ہے کب موم کا ہُوا عاطرؔ
یہ کب سنا ہے کہ قاتل سزا سے کانپ گیا

O

غیر سے ہم نے اجتناب کیا
آپ کا جب سے انتخاب کیا

آ گئی دھڑکنوں میں تبدیلی
اس قدر دل نے اضطراب کیا

عشق نے کب ہمیں نصیحت کی
ہجر نے ہم سے کب خطاب کیا

جو لٹیرے تھے بے نقاب ہوئے
ایسا لوگوں نے احتساب کیا

اُس کو جمہور نے چُنا عاطؔر
جس نے انصاف کو نصاب کیا

O

زندگی مختصر کہانی ہے
کب اسے دیر تک سنانی ہے

آپ کا احترام ہے دل میں
یہ محبت کی مہربانی ہے

اس کے اعمال پر نظر رکھیے
وہ جو کہتا ہے خاندانی ہے

ایک آنسو سے آسماں لرزاں
آنکھ میں کس طرح کا پانی ہے

درد مہمان بن کے آتے ہیں
میرے حصے میں میزبانی ہے

کس طرح ہو سفر مخالف سمت
جو بھی کشتی ہے بادبانی ہے

اُس کو مت نام عشق کا دیجے
وہ جو صحرا میں خاک چھانی ہے

پیٹ اور روزگار کا چکر
آپ کی یاد بھول جانی ہے

O

جب بھی وہ مجھ کو سوچتی ہوگی
اپنے چہرے کو دیکھتی ہوگی

سن نہ لے کوئی مدعا اس کا
آنکھوں آنکھوں میں بولتی ہوگی

جو محبت نہ مل سکی اس کو
میری نسبت سے ڈھونڈتی ہوگی

میں ہی تاخیر سے نہیں سوتا
دیر تک وہ بھی جاگتی ہوگی

اپنی محرومیوں سے گھبرا کر
وہ بھی سڑکوں پہ گھومتی ہوگی

شام کا وقت تھم گیا ہوگا
بال جب اپنے کھولتی ہوگی

بیٹھے بیٹھے وہ نیل پالش سے
انگلیوں کو سجا رہی ہوگی

گود میں رکھ کے نرم تکیوں پر
اپنا غصہ نکالتی ہوگی

بے تکے حرف لکھ کے کاغذ پر
نت نئے خواب دیکھتی ہوگی

اس کو پھر لوگ ٹوکتے ہوں گے
جب فضاؤں میں گھورتی ہوگی

اُس بدن کو نہ دیکھ لے کوئی
پھر سے چادر سنبھالتی ہوگی

خاص تحفہ ترے لیے عاطرؔ
مہنگے داموں خریدتی ہوگی

○

سنا تھا یہ بزرگوں کی زباں میں
شجر نہ کاٹ دینا تم خزاں میں

محبت کیا ہوئی بھونچال جیسی
دراڑیں پڑ گئیں دل کے مکاں میں

اسے دیکھا تو یہ نبضیں چلی ہیں
کہ واپس جان آئی پھر سے جاں میں

نظر آتے ہیں جو چہرے میں اُس کے
کہاں ہیں رنگ اتنے کہکشاں میں

زمانہ ہوگیا لیکن ابھی تک
تکلف ہے مزاجِ دوستاں میں

دبے ہیں وہ منوں مٹی کے نیچے
نہ اب کیڑے نکالو رفتگاں میں

بہت مشہور تھے جو لوگ کل تک
نہیں اب تذکرہ تک داستاں میں

O

تم چڑھاؤ نہ آستینوں کو
چھوڑ آیا ہوں سب زمینوں کو

مجھ کو پہنچا دیا بلندی پر
اب دعا دے رہا ہوں زینوں کو

آج جی بھر کے دیکھ لو مجھ کو
پھر چلا جاؤں گا مہینوں کو

کیا کریں گے یہ تیل کے چھینٹے
زنگ جب کھا گیا مشینوں کو

کیا سمندر بجھا نہیں سکتا
میرے جلتے ہوئے سفینوں کو

سوچ کر اُن پہ ڈالنا نظریں
آگہی ہے بہت حسینوں کو

اُس کی حالت ہے رحم کے قابل
پالتا ہے جو دل میں کینوں کو

زلزلہ تھا شدید تر عاطرؔ
کچھ نہ مہلت ملی مکینوں کو

زخم شمشیر سے لکھا میں نے
درد زنجیر سے لکھا میں نے

عشق کے بعد کی طلب اُس کی
خواب تعبیر سے لکھا میں نے

جب ملا وہ تو ہو بہو نکلا
جس کو تصویر سے لکھا میں نے

وہ غزل تھا تو حرف حرف اُسے
دل کی جاگیر سے لکھا میں نے

نیم کی طرح تلخ تھا جس کو
شاخِ انجیر سے لکھا میں نے

اب یہی سوچ کر پشیماں ہوں
اُس کو تاخیر سے لکھا میں نے

اُس کے چہرے کو دیکھ کر عاطرؔ
ماہ تنویر سے لکھا میں نے

O

تم نے بے پر کی خبر پھر سے اڑائی لوگو
بہتے دریا میں تو جمتی نہیں کائی لوگو

بے سبب تم نے بہت شور مچا رکھا ہے
جب سے کم دینے لگا مجھ کو سنائی لوگو

جو بھی کہنا ہے مرے سامنے آ کر کہہ دو
پیٹھ پیچھے نہ کرو میری برائی لوگو

تم نے جو فصل لگائی تھی وہی کاٹی ہے
اب نہ بے وجہ کرو اتنی دُہائی لوگو

دونوں ہاتھوں سے نہیں مال سمیٹا میں نے
جتنی روزی تھی وہ عزت سے کمائی لوگو

داستاں چند برس پر نہیں مبنی میری
مدتِ مشقِ سخن چار دہائی لوگو

O

جھوٹ سن سن کے بار بار میاں
کر لیا دل نے اعتبار میاں

کب گلے میں ہے درد معمولی
ہڈیوں تک میں ہے بخار میاں

ملنا جلنا ہے یار کا کم کم
جب سے مندا ہے کاروبار میاں

عشق خود ہی کمانا پڑتا ہے
اس کو مت ڈھونڈیئے ادھار میاں

مارنا پھر کسی مگرمچھ کو
پہلے خنجر کی دیکھو دھار میاں

اُس کو بھی دیکھ لینا اندر سے
جو شریفوں میں ہے شمار میاں

زیست کمزور پڑتی جاتی ہے
جتنی کرتے ہیں استوار میاں

O

جس سے آنکھیں ہوئی ہیں چار میاں
ہے وہی ذہن پر سوار میاں

اس کے چہرے پہ غازۂ سب رنگ
میرے چہرے پہ ہے غبار میاں

وہ بھی شاید ہے ہچکچاہٹ میں
میں بھی اک شخص طرح دار میاں

ناگہاں جب مرے قریب ہوئی
دل میں بجنے لگے ستار میاں

وہ ہے مشاطۂ خیال مری
ہے سخن میں وہ حصہ دار میاں

اتنی تزئین کاریاں اُس میں
وہ تو نکلی ہے دست کار میاں

اُس کے چہرے پہ بھول پن ایسا
میں تو خود ہوگیا شکار میاں

اک سعادت ہے اُس کی دید مجھے
اک ولایت ہے اُس کا پیار میاں

یہ محبت بھی کوئی سہل نہیں
دشت ہے اور خاردار میاں

میں ہوں اک خواب بکھرا بکھرا سا
اور مکمل وہ شاہکار میاں

بس وہی بات خوبصورت ہے
جس کے اندر ہو اختصار میاں

○

پھر سے سوئے ہوئے جذبات نے شدت پکڑی
تجھ کو دیکھا تو مرے عشق نے وحشت پکڑی

تجھ سے کہتا تھا نہ سنجیدہ رہا کر اتنا
مسکرایا ہے تو رخسار نے زینت پکڑی

کب سے خاموش پڑا تھا یہ مرے سینے میں
جب ترا نام لیا قلب نے حرکت پکڑی

جانے اللہ نے کس طرح بنایا تجھ کو
روشنی چاند سے لی، پھول سے رنگت پکڑی

تو ہی رکھتا ہے ہر اک میری ضرورت کا خیال
جب بدن سرد ہوا تجھ سے حرارت پکڑی

ختم ہوتا ہی نہیں تجھ کو سمجھنے کا عمل
تو خفا جب بھی ہوا میں نے نصیحت پکڑی

تجھ سے پہلے تھی کہاں دادِ سخن کی بارش
تجھ پہ لکھا ہے تو اشعار نے عزت پکڑی

O

کہتے ہو تمہیں حسبِ تمنا نہیں ملتا
کم دام لگانے سے تو سودا نہیں ملتا

وہ دھوپ حقیقت میں کوئی دھوپ نہیں ہے
جس سے کسی انساں کو پسینہ نہیں ملتا

غربت نے عطا کی ہے مجھے علم کی دولت
مکتب نہیں جاتا جو وظیفہ نہیں ملتا

سب منصبِ فرہاد ہے تیشے کے سبب سے
ورنہ یہ اُسے عشق میں رُتبہ نہیں ملتا

بدنامِ زمانہ ہوں میں سچائی کی خاطر
اب تو مرے بچے کو بھی رشتہ نہیں ملتا

اللہ غنی ہے وہ جسے چاہے نوازے
محنت سے ہر اک شخص کو پیسہ نہیں ملتا

O

نیند ہے دور آدھے رستے پر
خواب کو لکھ رہا ہوں تکیے پر

اس لیے ہونٹ پر تبسم ہے
تم کو تھا اعتراض رونے پر

کچھ تو اظہار ہو محبت کا
ہاتھ رکھو جو میرے کاندھے پر

ظرف اپنوں کا آزماتا ہوں
تم کو حیرت ہے میرے کاسے پر

مل ہی جائے گا مجھ کو رزق مرا
نام لکھا ہے دانے دانے پر

اب رویہ تمہارا دیکھنا ہے
میں تو بس آگیا بلانے پر

O

جس جگہ پر سوال ہوتا ہے
واں محبت کا کال ہوتا ہے

یوں برائی دکھائی دیتی ہے
جیسے مکھن میں بال ہوتا ہے

پھر سنبھالے نہیں سنبھل سکتا
دودھ میں جب اُبال ہوتا ہے

اپنا ماضی عزیز ہے سب کو
معتبر پچھلا سال ہوتا ہے

اک نشانی ہے یہ بھی قاتل کی
اُس کے ہاتھوں میں جال ہوتا ہے

بٹ چکی ہے زمین یوں گویا
بیس مرلے کنال ہوتا ہے

لوگ مل کر بگاڑ دیتے ہیں
شخص جو بے مثال ہوتا ہے

زندگی دُور کھینچ لیتی ہے
خود سے ملنا محال ہوتا ہے

دل کے اندر اُتر گیا جو بھی
شعر وہ لازوال ہوتا ہے

تپ چڑھی ہے اسے مگر عاطرؔ
جسم اپنا نڈھال ہوتا ہے

O

نقرئی ابر سے برسات نہیں مانگتے ہیں
خشک صحرا سے نباتات نہیں مانگتے ہیں

بس یہ آلائشیں گلیوں سے اٹھا لے کوئی
حاکمِ شہر سے باغات نہیں مانگتے ہیں

اس لیے بھی تو ہمیں بھوک رہی ہے لاحق
پیٹ بھرتا ہے تو خیرات نہیں مانگتے ہیں

سب حقیقت ترے لہجے ہی نے افشا کر دی
تجھ سے اب اور بیانات نہیں مانگتے ہیں

عشق نے ہم کو عطا کی وہ امارت عاطرؔ
یار سے حسن کی سوغات نہیں مانگتے ہیں

O

رکھو نہ اتنے گرم نوالے زبان پر
ڈر ہے نکل بھی سکتے ہیں چھالے زبان پر

ہوتا تمام شہر میں برپا بہت فساد
ہم نے ہی اپنے حرف سنبھالے زبان پر

اُس کے خیال نے ہمیں خاموش کر دیا
گرچہ تھے بے شمار حوالے زبان پر

اس سے بچھڑ کے کوئی شکایت نہ کر سکیں
اس طرح بن گیا تھا وہ جالے زبان پر

تاریکیوں میں ڈوب رہی ہو حیات جب
عاطر کہاں سے لاؤں اجالے زبان پر

○

آج کے دن مَیں کما کر یہی دولت لایا
تجھ سے ملنا تھا، ترے واسطے فرصت لایا

کھل گئے سارے تخیل کے دریچے مجھ پر
تیرا دیدار مرے عشق میں برکت لایا

جتنے فرسودہ خیالات تھے متروک کیے
تو ملا جب سے مری سوچ میں ندرت لایا

مستعد پھر سے بنا ڈالا ہے قربت نے تری
تیرا ہر لمس مرے جسم میں راحت لایا

اپنے لہجے میں پھر اک بار سنا دے مجھ کو
واقعہ جو ترے چہرے پہ مسرت لایا

لوگ اکثر ہی ملا کرتے ہیں مطلب سے یہاں
بے سبب کون ہے جو حرفِ محبت لایا

سچ تو یہ ہے تری نیت کے بدل جانے تک
تیرا ہر روپ مری آنکھ میں حیرت لایا

اب میں کس بات کی امید رکھوں گا تجھ سے
تو محبت بھی اگر حسبِ ضرورت لایا

○

وہ لڑکی حسن کی دیوی نہیں ہے
نظر اس سے مگر ہٹتی نہیں ہے

سنی تم نے جو اوروں کی زبانی
کہانی ہے مگر سچی نہیں ہے

بہت ہی جلد پردہ فاش ہوگا
حقیقت دیر تک چھپتی نہیں ہے

ابھی کچھ مرحلے ہیں امتحاں کے
ابھی یہ دوستی پکی نہیں ہے

جو قیمت دے سکو کاغذ پہ لکھ دو
یہاں نیلام میں بولی نہیں ہے

ذرا سی دیر میں سینہ جکڑ لے
ہوا اس شہر کی اچھی نہیں ہے

اداسی ہے فقط اس دل کے اندر
در و دیوار سے لپٹی نہیں ہے

مجھے سارا بدن ازبر ہے اُس کا
ابھی وہ ذہن سے اُتری نہیں ہے

پریشاں ہوں کہ اُس کو کیا سناؤں
غزل تازہ کوئی لکھی نہیں ہے

یہ میرا دل ہے چھوٹے گاؤں جیسا
جہاں پر ریل بھی رکتی نہیں ہے

O

ہجرتیں رزق کمانے کے لیے ہوتی ہیں
کچھ مگر جان بچانے کے لیے ہوتی ہیں

ٹوٹ جاتا ہے کسی ضد کے سبب ہی ورنہ
کوششیں گھر کو بسانے کے لیے ہوتی ہیں

ساری مخلوق سے ہٹ کر ہے طبیعت ان کی
لڑکیاں ناز اٹھانے کے لیے ہوتی ہیں

لذتِ عشق کسی عشق کے بیمار سے پوچھ
خواہشیں، درد بڑھانے کے لیے ہوتی ہیں

کربلا نے یہ سکھایا ہے کہ حق کی خاطر
گردنیں خون بہانے کے لیے ہوتی ہیں

اب کے سیلاب نے یہ سوچ بدل دی عاؔطر
بارشیں فصل اُگانے کے لیے ہوتی ہیں

O

بہت کٹھن تھا مگر فیصلہ ضروری تھا
سو طے ہوا کہ اُسے چھوڑنا ضروری تھا

عداوتوں میں بھی ابلاغ کی ضرورت ہے
کہ گفتگو کے لیے رابطہ ضروری تھا

بلاجواز کسے ہجرتیں پسند، مگر
محبتوں کے لیے فاصلہ ضروری تھا

پتا چلا کہ وہی لوگ ہیں خسارے میں
جنہیں یقیں کے لیے معجزہ ضروری تھا

شکست کھا گئے جو جسم تھے قوی ہیکل
مزاحمت کے لیے حوصلہ ضروری تھا

اسی سبب سے تھا بدنام شہر میں عاطر
کہ چپ رہا نہ جہاں بولنا ضروری تھا

O

اُس نے انسان کی تخلیق میں جدت رکھی
روح کے گرد جو مٹی کی کثافت رکھی

خود ہی دشوار بنایا تھا سفر کو ہم نے
عام لوگوں سے ذرا ہٹ کے طبیعت رکھی

دوپہر ہی سے ترا دھیان مقدم رکھا
تجھ سے ملنے کے لیے شام کی فرصت رکھی

تو جو تاخیر سے آیا تو پشیمان نہ ہو
ہم نے قصداً تری محدود ضرورت رکھی

اس لیے تیز نہ تھا تیرے بھلانے کا عمل
جتنا ممکن تھا تری یاد میں شدت رکھی

کی نہ یاروں کی طرح نقل مکانی ہم نے
جو پرانی تھی وہی اپنی سکونت رکھی

تو نے اوروں سے بہت کم ہے کمایا عاطرؔ
پر ترے رزق میں اللہ نے برکت رکھی

○

نفی سے بچ کے ہاں میں آ رہا ہے
وہ الفت کی اماں میں آ رہا ہے

مجھے لگتی نہیں اچھی علامت
یہ سبزہ جو خزاں میں آ رہا ہے

عجب آلودگی والا تغیر
زمیں کے خاکداں میں آ رہا ہے

کبھی سورج نہ آ جائے زمیں پر
نظر جو آسماں میں آ رہا ہے

محبت کا پہاڑا یاد کر لو
یہ پرچہ امتحاں میں آ رہا ہے
وسیلہ رزق کا انگلش میں عاطرؔ
مزا اُردو زباں میں آ رہا ہے

O

کیسے بچ پاؤ گے حالات سے آگے جا کر
دھوپ نکلے گی بہت رات سے آگے جا کر

یہ سمندر نہیں بہتے کسی دریا کی طرح
یہ سفر میں ہیں بخارات سے آگے جا کر

بیش قیمت ہے یہی حسن زمیں کا میری
کچی بستی ہے محلات سے آگے جا کر

اک جہاں اور ہے آباد کھلے منظر میں
جب بھی دیکھو گے کبھی ذات سے آگے جا کر

بس یہی سوچ کے رستے میں اُسے چھوڑ دیا
تنگ ہوگا مِری عادات سے آگے جا کر

عشق میں مجھ سے سوالات نہ پوچھو اتنے
رنج بڑھتا ہے جوابات سے آگے جا کر

شہر سے دور خریدوں گا کوئی گھر عاطر
گرچہ جنگل ہے مضافات سے آگے جا کر

O

نبض چلتی ہوئی فنا ہو جائے
کیا خبر پل میں کیا سے کیا ہو جائے

سن چکا ہوں شکایتیں کتنی
اب بچھڑتے ہوئے دعا ہو جائے

کس سے کب عشق ہو گیا مجھ کو
آج ماضی کا تذکرہ ہو جائے

دائرہ وار ڈھانپ لوں تم کو
ایسے لپٹوں کہ اک قبا ہو جائے

کر لیا قرب منتخب تم نے
یہ نہ ہو زخم پھر ہرا ہو جائے

ہر گھڑی آنکھ کھول کر رکھنا
جانے کس وقت حادثہ ہو جائے

O

مبالغوں پہ مرے دل نثار کرتا تھا
وہ جھوٹ پر بھی مرے اعتبار کرتا تھا

یہ سوچ کر کہ نہ سوتے میں آنکھ کھل جائے
وہ میرے پاؤں کی ایڑھی پہ پیار کرتا تھا

نظر اتارتا رہتا تھا رات دن میری
محافظت کی دعا بار بار کرتا تھا

وہ چاہتا تھا اسے دیکھتا رہوں ہر پل
سو لمحہ لمحہ مرا انتظار کرتا تھا

خرید پایا اکیلے نہ پیرہن کوئی
مری پسند پہ وہ انحصار کرتا تھا

بچھڑتے وقت بھی اُس نے نہ کچھ شکایت کی
محبتوں میں عجب کاروبار کرتا تھا

O

شکایت کس لیے احباب سے ہے
یہ سینے کی جلن تیزاب سے ہے

یہ دریا خشک ہے، لوگوں کو لیکن
گلہ سُوکھے ہوئے تالاب سے ہے

بدن کی کر چکا وہ چھان بینی
اُسے اب ڈر مرے اسباب سے ہے

اسے چبھنے لگی لٹھے کی چادر
جسے الفت بہت کم خواب سے ہے

کوئی تدبیر کر اس کی مسیحا
کمر میں درد جو اعصاب سے ہے

بھلا بیٹھا ہوں اس کا نام عاطر
جسے چاہت بہت القاب سے ہے

O

رشک کرتے ہیں سبھی چاہنے والے اُس کے
میرے چہرے پہ جو لکھے ہیں مقالے اُس کے

لگ رہا ہے یہ بدن مجھ کو بہت ہلکا سا
خود کو جس دن سے کیا میں نے حوالے اُس کے

بدگمانی نے بُنے جتنے بھی مکڑی کی طرح
رفتہ رفتہ وہ بکھر جائیں گے جالے اُس کے

عارضی حسن کی یوں عمر بڑھا دی میں نے
جسم کے نقش سبھی خواب میں ڈھالے اُس کے

شب کی مانند وہ زلفیں ہیں تو پُرنور بدن
میں اندھیروں کو سمیٹوں یا اُجالے اُس کے

لب کشادہ ہوئی چہرے پہ سماعت اُس کی
جھلملانے جو لگے کان کے بالے اُس کے

اُس کے اظہار نے کر ڈالا ہے ششدر سب کو
وقت نے توڑ دیئے ہونٹ کے تالے اُس کے

O

پھونک سے اک دیا بجھانا کیا
جبر پر تالیاں بجانا کیا

اپنے کردار کو معطر کر
جسم پر خوشبوئیں لگانا کیا

جو بھی کہنا ہے بے جھجک کہہ دے
اتنا الفاظ کو چبانا کیا

گھر کا پھاٹک نہ ہو بلند اگر
اونٹ والے کو گھر بلانا کیا

حسن چھپتا نہیں، مگر قصداً
جسم کے زاویے دکھانا کیا

○

بچھڑ گیا ہے تو تجھ کو معاف کرتے ہیں
ہمیں تو عشق تھا یہ اعتراف کرتے ہیں

تُو پاس تھا تو فقط تیرے اردگرد تھے ہم
کہ جس طرح یہ پتنگے طواف کرتے ہیں

چلا گیا ہے تو اب تیرے احترام میں ہم
تری گلی ترے کوچے کو صاف کرتے ہیں

جو تیرے قرب کی گرمی نہیں مقدر میں
سو شب کو اپنے بدن پر لحاف کرتے ہیں

اب انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں سننے کو
ترے وہ حرف جو دل میں شگاف کرتے ہیں

ترے سبب ہی غزل میں ہے تازگی پیہم
سخن میں روز نیا انکشاف کرتے ہیں

O

جُڑا اک آستانے سے نہیں ہے
لگا یہ سر جھکانے سے نہیں ہے

یہ کتبہ عشق کا دیوارِ دل پر
ترے کیلیں لگانے سے نہیں ہے

محبت میں مری شدّت کا جذبہ
ترے نزدیک آنے سے نہیں ہے

بہت گہرا ہے میرا زخم، لیکن
ترے اچھے نشانے سے نہیں ہے

زلیخا، یہ ترے یوسف کی شہرت
فقط عزت بچانے سے نہیں ہے

فرد فرد

فون پر کل گفتگو میری ادھوری رہ گئی
یہ ہوا کہ پھر ترا چہرہ نظر آنے لگا

......☆......

کسی طرح تو پرکھنا تھا تیرا ظرف مجھے
سوال کرکے تجھے امتحاں میں ڈال دیا

......☆......

مت حسین لوگوں میں ڈھونڈیے وفاداری
خوشنما درختوں پر پھل نہیں لگا کرتے

دل کے اندر یوں چھپا رکھا ہے اک تیرا خیال
جیسے اک بیج میں پوشیدہ شجر رہتا ہے

......☆......

تم نے اس عشق کے دریا کو کیا پُل سے عبور
کسی مٹکے، کسی کشتی کا سہارا لیتے

جب یہ خبر ملی کہ پرندے چلے گئے
میں نے شجر کی شاخ پہ جھولا لگا دیا

......☆......

پھر اک چراغ بجھا کر دکھا دیا مجھ کو
ہوا نے اپنا تعارف کرا دیا مجھ کو

......☆......

لہو جو زخم سے رِستا ہے اُس کو مت چھیڑو
کہ بارہا یہی مرہم کا کام کرتا ہے

......☆......

نہ جانے کون سی غربت ہے میری آنکھوں میں
کہ اُس بدن میں خزانے تلاش کرتا ہوں

......☆......

زندگی بھر کے لیے پھر وہ مجھے کافی رہی
وہ ذرا سی دیر میں اتنی محبت دے گیا

میں بہت شکر ادا کرتا ہوں
جب ترا عشق تھکا دیتا ہے

......☆......

محبت کی کمک بھیجو اگر تم
میں اپنی ہر لڑائی جیت لوں گا

......☆......

مرے بدن کا سفینہ نہ ڈوب جائے کہیں
گزر رہا ہوں ترے روپ کے سمندر سے

......☆......

جو سوچنا ہے تو شفاف ذہن سے سوچو
محبتیں تو حقیقت بگاڑ دیتی ہیں

......☆......

منصبِ عشق پہ فائز ہوں تمہارے جب سے
تختہ خاک پہ مسند کا مزہ آتا ہے

دیوتا بن گیا ہے تیرا وجود
ہم نے وہ قربتیں تراشی ہیں

......☆......

اس کو لگتا ہے مرا جسم خمیدہ عاطؔر
جس نے دیکھا مری تصویر کو ٹیڑھا کر کے

......☆......

دل کے پنجرے سے پرندوں کو اڑا دو عاطؔر
آرزوؤں کو مسلسل نہیں پالا کرتے

......☆......

کھڑکیوں کے باہر تو جگمگاتا سورج ہے
کس طرح یہ پردے اب روشنی کو روکیں گے

......☆......

ابھی تک اس بدن کا لمس عاطؔر
مری پوروں پہ دستک دے رہا ہے

اتنی پھیلی تھی کرپشن کی غلاظت عاطؔر
اب کے سیلاب مرے شہر کو دھونے آیا

......☆......

جو ڈھل رہی ہے جوانی تو مسکرانا نہیں
اے آئنے تُو اُسے جھرُیاں دکھانا نہیں

......☆......

قدر کیجیے عاطؔر ایک ایک دھڑکن کی
دل اگر ٹھہر جائے پھر نہیں چلا کرتا

......☆......

بہت لطیف ہے سایہ تمہاری زلفوں کا
مگر بتاؤ یہاں کب تلک قیام کروں

......☆......

میں جان بوجھ کے انجان بن گیا عاطؔر
وہ خوش ہوا تھا بہت جھوٹ بول کر مجھ سے

دیوتا بن گیا ہے تیرا وجود
ہم نے وہ قربتیں تراشی ہیں